

دینی مدارس، کالجز اور یونیورسٹیز کے طلبہ و طالبات کے لیے قیمتی تحفہ

# تخریج و تحقیق

اصول و ضوابط

تالیف

محمد ابراہیم بن بشیر الحسینی

مراجعة

ابو خزیمہ عمران معصوم انصاری



Alafafi  
RESEARCH INSTITUTE



جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

دینی مدارس، کالج اور یونیورسٹیز کے طلبہ و طالبات کے لیے قیمتی تحفہ

# تخریج و تحقیق

اصول و ضوابط

تالیف

محمد ابراہیم بن بشیر الحسینی

مراجعة

ابو خزیمہ عمران معصوم انصاری

اشاعت ..... اکتوبر 2016

ناشر

سلفی ریسرچ انسٹیٹیوٹ

**United Kingdom**

Suite M0162  
265-269 Kingston Road  
Wimbledon, London  
Sw19 3NW

**Mob: +447497261845**

حسین خانوالا ہسٹاٹ

تحصیل ضلع قصور، پنجاب۔ پاکستان

**+92 302 4056187**

سلفی  
**Salafi**  
RESEARCH INSTITUTE

ہماری کتاب انٹرنیٹ پر اپ لوڈ کرنے کی کسی کو اجازت نہیں ہے۔

Email: [Info@salafiri.com](mailto:Info@salafiri.com)

Web: [WWW.Salafiri.com](http://WWW.Salafiri.com)



## فہرست

10	مقدمہ ابوخرزیمہ عمران معصوم انصاری
11	مقدمہ محمد ابراہیم بن بشیر الحسینی
14	فن تخریج و تحقیق کا ارتقائی جائزہ:
20	پہلا باب اصول تخریج
21	تخریج کا لغوی معنی
21	اصطلاحی تعریف
21	علم تخریج کی نسبت تمام علوم کی طرف
22	علم تخریج سے مدد طلب کرنا
22	علم تخریج کا واضح
22	حکم
23	تخریج کی اقسام
23	مفصل تخریج
23	مختصر تخریج
23	قاصر تخریج
24	تخریج کے فوائد
26	کتب تخریج کا ذکر
27	تخریج کے طریقے
27	پہلا طریقہ
28	پہلا فائدہ



- 28 دوسرا فائدہ
- 28 تیسرا فائدہ
- 29 دوسرا طریقہ: موضوعی اعتبار سے تخریج کرنا
- 30 اس طریقے کے فوائد
- 30 چوتھا طریقہ
- 31 فائدہ
- 31 اس طریقے پر لکھی گئی کتب
- 31 پانچواں طریقہ
- 32 تخریج لکھنے کے اصول
- 37 دوران تخریج، تخریج شدہ کتب سے استفادہ کرنا
- 40 اصول تخریج و تحقیق پر کتب
- 41 دوسرا باب اصول سند
- 42 سند کا مطالبہ کرنا ضروری ہے
- 42 سند کا صحیح ہونا ضروری ہے
- 43 صحیح سند کا شرائط
- 44 حدیث کی تحقیق کرنے کا طریقہ
- 44 راوی کی تحقیق کرنے کا طریقہ
- 48 تیسرا باب اصول تحقیق
- 49 رواۃ پر جرح و تعدیل اور متاخرین و متقدمین محدثین کے درمیان فرق

51

سند میں سفیان سے مراد

51

جرح کرنے والا اگر خود ضعیف ہے تو اس کی جرح قبول نہیں کی جائے گی

52

اہم اصطلاحات

52

حافظ ذہبی کا کسی راوی کے متعلق کہنا: وثق

53

رجالہ رجال الصحيح

53

رجالہ ثقات

54

اصح شىء فى الباب

54

یتلقن: وہ لقمہ قبول کرتا ہے

54

تدلیس کے متعلق اہم اصول

54

پہلا اصول:

55

دوسرا اصول:

57

تیسرا اصول:

57

حافظ ابن حجر کا سکوت:

58

امام حاکم اور علامہ ذہبی کا سکوت:

59

راویوں کے متعلق چند اہم فوائد:

64

ضعیف حدیث کو بیان کرنے کا طریقہ:

65

جرح و تعدیل:

66

راویوں کو ثقہ یا ضعیف ثابت کرتے وقت انصاف کرنا:

66

ثقہ کی زیادتی:

67

زیادۃ الثقه کے حکم کا خلاصہ

67

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ کسی بھی کتب صحاح پر اعتما نہیں

68

تبصرہ

69

جب جرح و تعدیل میں تعارض آجائے۔

69

جہول

71

مرضی کے قواعد بنانا درست نہیں

72

بعض اہل علم نے کہا۔ حسن لغیرہ حجت نہیں

72

کذاب اور ضعیف راوی کو ثقہ ثابت کرنے کی کوشش کرنا

73

مختلف فیہ راوی کی روایت حسن درجے کی ہوتی ہے

73

کسی بھی امام کے سکوت سے حدیث کا اس کے نزدیک صحیح یا حسن ہونا لازم نہیں آتا

73

امام ابو داؤد کا سکوت

74

امام نسائی کا سکوت

75

ثابت شدہ متداول کتب کا انکار کر دینا

75

بعض محدثین کی خاص اصطلاحات

75

جس راوی کو امام ابن حبان اکیلہ ثقہ کہیں

76

امام بخاری اور التاریخ الکبیر

76

امام بخاری کا التاریخ الکبیر میں کسی کا راوی پر سکوت

78

امام ترمذی کی تصحیح یا تحسین حدیث کا اعتبار نہیں

79

رواۃ محدثین کی تاریخ وفات کا علم ہونا

79

علوم حدیث و فن جرح و تعدیل پر اہم کتب

80

اعلاء السنن فی المیزان میں علوم حدیث کی فہرست

85

مقالات شیخنا المحدث ارشاد الحق اثری

85

جلد (۱) سے علوم حدیث کی فہرست

86

جلد (۲) سے علوم حدیث کی فہرست

87

چوتھا باب حدیث حسن لغیرہ

88

حدیث حسن لغیر کی حجیت کے متعلق اشکالات اور ان کے جوابات

88

حسن لغیرہ

88

تعریف

پہلا اشکال: بعض لوگ ضعیف + ضعیف کے اصول اور جمع تفریق کے ذریعے

91

سے بعض روایات کو حسن لغیرہ قرار دیتے ہیں

93

دوسرا اشکال:

93

تیسرا اشکال:

94

چوتھا اشکال: کیا ابن قطان کے نزدیک حسن لغیرہ حجت نہیں

96

پانچواں اشکال: حافظ ابن حجر کے نزدیک حسن لغیرہ حجت نہیں۔

96

چھٹا اشکال: کیا حافظ ابن کثیر کے نزدیک حسن لغیرہ حجت نہیں

97

ساتواں اشکال:

97

عدم تقویت کے اسباب

99

تیسرا سبب: ضعیف راوی کا تفرد

99

چوتھا سبب: جب ایک سے زائد سبب ضعیف ہوں

100

دیگر اسباب ضعیف:

101

حسن لغیرہ کی حجیت اور پاکستانی علمائے اہلحدیث

102

آٹھواں اشکال

103

محدث یمن مقبل بن ہادی کے نزدیک حسن لغیرہ کی حجیت

106

نواں اشکال: حسن لغیرہ کا حجت ہونا متقدمین سے ثابت نہیں ہے۔

108

محدثین کا اسماعیل بن ابی خالد کے عنعنہ کا قبول کرنا

108

منہج متقدمین اور منہج متاخرین

108

تحقیق حدیث میں متقدمین کی مخالفت کی مثال

## مقدمہ:

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم أشهد أن لا اله الا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله أما بعد:

ہمارے لیے یہ بہت بڑی سعادت ہے کہ ہم طلبہ علوم نبوت کے لیے نافع کتب شائع کرنے کی ادنیٰ سی کوشش کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور مزید کی توفیق سے نوازے۔ یہ کتاب فاضل مولف کی قیمتی کتب میں سے ایک ہے، جو انھوں نے بڑی محنت سے ترتیب دی ہے۔ اس میں ”تخریج و تحقیق“ کے قواعد پر بحث کی گئی ہے۔ ہمیں قوی امید ہے کہ یہ کتاب قارئین کو پسند آئے گی۔ ان شاء اللہ

ارباب مدارس سے ہمیں قوی امید ہے کہ وہ ہماری کتب میں سے ”نصیحتیں میرے اسلاف کی“ اور اس کتاب ”تخریج و تحقیق کے اصول و ضوابط“ کو نصاب میں جگہ دیں گے شاید ہماری یہ کتب کچھ فائدہ کا سامان مہیا کریں۔

آخر میں فاضل بھائی محمد ابراہیم بن بشیر الحسینی حفظہ اللہ کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے کہ جن کی محنت شاقہ کے بعد یہ کتاب شائع ہونے کے قابل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ ہماری ان عاجزانہ کوششوں کو قبول فرمائے اور سلفی ریسرچ انسٹیٹیوٹ برمنگھم، لاہور کی لجنہ کے لیے صدقہ جاریہ بنائے، جن کے تعاون سے ہم مسلسل کتب شائع کر رہے ہیں۔ آمین

**ابو خزیمہ عمران معصوم انصاری**

رئیس سلفی ریسرچ انسٹیٹیوٹ برمنگھم، لاہور

۹ محرم الحرام ۱۴۳۸ھ

## مقدمہ:

دینی تعلیم میں بے شمار فنون پڑھائے جاتے ہیں جن میں سب سے اہم ترین قرآن وحدیث ہے۔ تخریج و تحقیق کا تعلق حدیث رسول ﷺ سے ہے۔ ہمیں ہر وقت حدیث بیان کرنے اور پڑھنے کی ضرورت پڑھتی ہے۔ اگر ہم فن تخریج و تحقیق سے آشنا ہوں گے تو کبھی کسی ضعیف یا موضوع روایت کو بیان نہیں کریں گے۔

کیونکہ غلط چیز کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے، جس کی وجہ سے جہنم میں داخلہ واجب ہو جاتا ہے۔

وہ اہل علم جو فن تخریج و تحقیق سے نا آشنا ہیں عموماً بغیر سوچے سمجھے غیر ثابت اور سنی سنائی باتوں کو رسول اللہ ﷺ کی طرف بلا جھک منسوب کر دیتے ہیں اوع انہی غیر ثابت روایات پر شرعی مسائل کی بنیاد رکھتے ہیں! فانا لله وانا الیہ راجعون۔

بعض پیشہ ور خطیب اور اہل علم عموماً غیر ثابت روایات کو بغیر کسی خوف کے نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اور اگر انھیں تنبیہ کی جائے تو آگے سے بے جا باتیں کرنا شروع کر دیتے ہیں اور مختلف بے بنیاد تاویلوں کا سہارا لیتے ہیں، جن کی کوئی اساس نہیں ہوتی، بلکہ بعض تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ ہم کون سے شیخ الحدیث ہیں؟ اگر صحیح احادیث ہی سننی ہیں تو میری بجائے کسی شیخ الحدیث کو بلا لیتے!! جبکہ بعض یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کون سی کتب ہیں کہ جن سے ہم تیار کر کے بیان کریں!!!

حالانکہ یہ سب باتیں درست نہیں ہیں۔ خطیب ہو یا مدرس یا کوئی عامی، اسے یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ بغیر تحقیق کے کوئی بات آگے بیان نہ کرے۔ اپنی کوشش اور طاقت کے مطابق پہلے اس حدیث کی تحقیق کرے۔ اگر خود نہیں کر سکتا تو کسی اہل علم سے رابطہ کر لے اور پوچھ لے کہ فلاں حدیث ضعیف ہے یا صحیح؟ اس سے اسے خود بھی فائدہ اور سامعین کو بھی بہت فائدہ ہوگا اور غیر ثابت بات کو ہم رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنے سے بچ جائیں گے۔ ان شاء اللہ

کئی مدرسین، خطباء اور عامی لوگ راقم الحروف کے ساتھ مسلسل رابطے میں ہیں۔ جب بھی انھیں کسی چیز میں شک ہوتا ہے یا تحقیق نہیں ہوتی تو وہ راقم سے رابطہ کرتے ہیں اور راقم اس حدیث کی تحقیق کر کے اس کا حکم بتا دیتا ہے۔ میری ناقص رائے میں آج یہ کام تو ہر کوئی کر سکتا ہے۔ آج کل موبائل کی سہولت عام ہے، کال، ایس ایم ایس یا ٹکس اپ کے ذریعے کسی حدیث کی تحقیق کسی اہل علم سے پوچھی جاسکتی ہے۔

جو لوگ مطالعہ کے عادی نہیں ہیں، بس سنی سنائی باتیں بیان کر دیتے ہیں، بلکہ ان کے پاس قرآن و حدیث کا بنیادی علم بھی نہیں ہوتا، ان سے اچھے اور نرم لہجے میں بات کرنی چاہئے کہ وہ مطالعہ کے عادی بنیں جس کا آسان سا طریقہ ہے کہ وہ جو حدیث بیان کریں، ان سے اس کا حوالہ پوچھا جائے۔ اگر وہ بیان کر دیں تو اس کا حکم پوچھا جائے کہ صحیح ہے یا ضعیف، اس طرح شاید وہ مطالعہ اور تحقیق کا عادی بن جائے۔ لیکن افسوس کہ اس طرح کا ماحول دور دور تک دیکھنے کو نہیں ملتا۔ آج کل لوگوں کا ذہن علمی چیزیں سننے کے بجائے قصوں اور کہانیوں پر زیادہ لگا دیا گیا ہے، اس ماحول کو حکمت عملی سے تبدیل کرنے کی ضرورت ہے اور اس پر ہمیں مل جل کر محنت کرنی چاہیے۔

یاد رہے کہ دین قرآن اور صحیح حدیث کا نام ہے اور صحیح حدیث کی چار قسمیں ہیں:

۱: صحیح لذاتہ، ۲: صحیح لغيرہ، ۳: حسن لذاتہ، ۴: حسن لغيرہ۔



ہم اس موقع پر ایک نصیحت کرنا چاہتے ہیں کہ منبر و محراب کا وارث بننے کی کوشش کرنے والے احباب! منبر و محراب پر جلوہ نشین ہونے سے پہلے غور کریں کہ ہمیں فنِ قرآن و حدیث کے علم سے کوئی مس بھی ہے کہ نہیں؟!

عربی زبان میں جرح و تعدیل کے ضوابط پر بعض کتب متداول ہیں، لیکن اردو زبان میں اس پر کوئی قابلِ قدر کتاب نہیں تھی۔ میرے فاضل دوست فضیلۃ الشیخ نعمان فاروقی حفظہ اللہ مدیر مسلم پبلی کیشنز لاہور نے توجہ دلائی کہ اس موضوع پر جامع مانع اور مختصر کتاب لکھیں، تاکہ طلبہ علومِ نبوت اور اہل علم کے لیے فائدہ مند ہو اور نصابی کتاب کی مثل ہو، اس پر راقم نے کچھ اہم اصولوں کو لکھا ہے، تاکہ فنِ تخریج و تحقیق کے اصولوں کو متعارف کروایا جائے۔

اصولِ تحقیق میں صرف ان اصولوں کو ذکر کیا جائے گا، جو تحقیق میں معاون ثابت ہوں گے، تاکہ تحقیق میں ان اصولوں کو مد نظر رکھا جاسکے، یہاں یہ بات ذکر کرنا فائدہ سے خالی نہیں کہ اس فصل کو اس لیے شامل کتاب کیا ہے کہ بعض لوگ کسی عالمِ دین کے پاس چند دن لگا کر تخریج تو سیکھ لیتے ہیں کہ حدیث کو کیسے تلاش کرنا ہے؟ پھر تخریج کا علم آجانے کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو محقق سمجھنا شروع کر دیتے ہیں!!

حالانکہ ان کو اصولِ تحقیق سے بے خبری ہوتی ہے، راقم کی کچھ ایسے ساتھیوں سے ملاقاتیں ہوئی ہیں جن کو عربی زبان پڑھنی بھی نہیں آتی، اس کو سمجھنا تو دور کی بات ہے لیکن انھیں حدیث کو تلاش کرنا آتا ہے اور اس پر وہ مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اتنی تو محنت کی، لیکن یہ کافی نہیں اور اس طرح کے بعض طلبہ پر افسوس ہوتا ہے اور وہ اسی بنا پر اپنے آپ کو محقق باور کرواتے ہیں۔ یا اسفا۔ پھر بے جا محدثین کی تنقیص کرتے پھرتے ہیں، جس طرح تخریج کے لیے ممارست اور لمبا عرصہ کسی محدث و محقق کے پاس ٹھہرنا ضروری ہے تحقیق میں مہارت بھی سال

ہا سال کی مسلسل محنت اور ماہر اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کے بعد ہی ممکن ہے اور اسلام کو پختہ محققین کی ضرورت ہے۔

## فن تخریج و تحقیق کا ارتقائی جائزہ:

تحقیق کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے کہ جب تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کرو۔ ہر اہل علم قرآن و حدیث کی روشنی میں ہر وقت گفتگو کرتا ہے، قرآن مجید پر تو جرح و تعدیل لاگو ہی نہیں ہوتے، اس کے برعکس حدیث نبوی بیان کرتے وقت یا پڑھتے وقت غور و فکر ضروری ہے، کیونکہ حدیثوں میں بعض لوگوں نے ضعیف اور موضوع و منکر روایات اپنی طرف سے بنا کر داخل کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ صحیح و ثابت حدیث مصطفیٰ ﷺ اور ضعیف اور بے بنیاد روایات کے درمیان فرق کرنے کی غرض سے احادیث میں غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے، مثلاً حدیث بیان کرنے سے پہلے دیکھا جائے کہ اس کا حوالہ کیا ہے؟ اگر صحیحین (بخاری و مسلم) کے علاوہ حدیث ہے تو اس کی تحقیق کرنا یا تخریج و تحقیق کے ماہر علماء کی طرف رجوع کرنا از حد ضروری ہے، تاکہ معلوم ہو سکے کہ یہ حدیث ثابت ہے یا نہیں۔ پوری جانچ پڑتال کے بعد کسی حدیث کو بیان کرنا اہل علم پر فرض ہے۔

ابتدائی دور میں اس فن کی ضرورت کم تھی، کیونکہ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی تھے اور وہ سارے عادل تھے جو بھی بیان کرتے تھے صحیح ہوتا تھا اور سند کی تحقیق کی ضرورت بھی نہیں تھی، جیسے حالات بدلے ویسے ہی تحقیق شروع ہو گئی۔ اس کا ثبوت ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ملتا ہے۔ اس کا اندازہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول سے ہوتا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ

سے احادیث کو بیان کرتے تھے اور انھیں یاد کرتے تھے، جب لوگوں نے غلط سلط بیان کرنا شروع کر دیا تو ہم بہت احتیاط کرنے لگے <sup>1</sup>

زمانہ نبوت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بذات خود رسول اللہ ﷺ سے سنتے تھے یا آپ کو دیکھتے تھے یا صحابی کسی صحابی سے سنتا تھا، لیکن بعد میں جب تابعین کا دور شروع ہوا، اس وقت بعض فتنے بھی رونما ہوئے۔ بعض دین کے دشمن لوگوں نے روایات خود بنانا شروع کر دیں، پھر فن تحقیق کی ضرورت پڑی، اسی کی طرف سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اشارہ فرما رہے ہیں۔

نیز اس فن کی ضرورت اس وقت محسوس ہوئی جب محدثین نے بعض کتب حدیث لکھیں تو اس میں مرسل، معلق، معضل اور ضعیف روایات بھی درج کیں، مثلاً موطا امام مالک، مسند شافعی، مسند احمد، سنن ابی داود، وغیرہ تو اس بنا پر اہل علم نے فن تخریج و تحقیق کی بنیادیں ڈالیں، مثلاً حافظ ابن عبدالبر نے ”التمہید لما فی الموطا من المعانی و الأسانید“ امام قضاعی نے ”مسند الشہاب“ امام بیہقی نے ”معرفة السنن والآثار“ لکھیں۔ یہ دراصل فن تخریج و تحقیق کے متعلق کتب ہیں۔

اس فن کا آغاز چوتھی اور پانچویں ہجری میں ہو چکا تھا، لیکن اس فن پر مستقل کام چھٹی صدی ہجری سے عام ہوا، مثلاً امام ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی نے ”أحادیث الشہاب“ لکھی، جس میں انہوں نے قضاعی کی احادیث کو مسند بیان کیا۔ علامہ دیلمی نے اپنے والد کی کتاب ”مسند الفردوس“ کی تخریج اپنی کتاب ”أحادیث کتاب الفردوس“ میں کی اور اسے حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا۔

علامہ زیلعی نے فقہ حنفی کی معروف کتاب ”الہدایہ“ کی تخریج کی، جس کا نام ”نصب

الرایہ“ رکھا، جس کا خلاصہ حافظ ابن حجر نے ”الدراية“ کے نام سے کیا، علامہ تبریزی نے ”مصایح السنة“ کی تخریج کی اور اس پر تیسری فصل کا اضافہ بھی کیا، جس کا نام انھوں نے ”مشكاة المصابيح“ رکھا۔

پھر نویں صدی ہجری ہی میں امام ابن الملقن نے ”الشرح الكبير للرافعي“ کی تخریج بنام ”البدر المميز“ کی اور اسی کی تلخیص حافظ ابن حجر نے ”التلخیص الحجیر“ کے نام سے کی۔ علامہ عراقی نے ”احیاء علوم الدین“ کی تخریج بنام ”المغنی عن حمل الأسفار فی الأسفار“ لکھی، دسویں صدی ہجری میں علامہ سخاوی نے ”غنیۃ الطالبین“ کی تخریج بنام ”البغیۃ بتخریج أحادیث الغنیۃ“ لکھی۔ علامہ سیوطی نے ”الشفاء“ کی تخریج بنام ”مناہل الصفا“ لکھی، گیارہویں صدی ہجری میں ملا علی قاری نے ”شرح عقائد نسفیہ“ کی تخریج کی اور علامہ مناوی نے ”تفسیر بیضاوی“ کی احادیث کی تخریج بنام ”تحفة الراوی فی تخریج احادیث البیضاوی“ لکھی۔

پھر چودھویں صدی ہجری میں شیخ محمد ناصر الدین البانی نے تخریج و تحقیق پر کام شروع کیا اور اپنی ساری زندگی بس اسی فن کی خدمت میں صرف کردی۔ اپنی ۱۲۰ کتب میں انھوں نے فن تخریج و تحقیق کو زندہ کیا، جن میں سے بعض کتب کئی جلدوں میں بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے شیخ البانی رحمہ اللہ سے راضی ہو جائے کہ جنھوں نے حدیث کے اہم فن ”تخریج و تحقیق“ کے ذریعے ہزاروں احادیث کی چھان پھٹک کی اور امت مسلمہ پر احسان عظیم کیا اور بے شمار ایسے شاگرد تیار کیے جو پوری دنیا میں فن تخریج و تحقیق کو اپنائے ہوئے ہیں، مثلاً محدث أبو اسحاق الحوینی المصری، محدث أبو عبیدہ مشہور حسن الاردنی، محدث علی حسن الحلبي الاردنی، محدث نبیل بن منصور البصارہ، محدث عصام موسیٰ ہادی

و خلق کثیر۔

اگر میں کہوں تو مبالغہ نہیں کہ آج پوری دنیا میں یونیورسٹیوں، مدارس و جامعات اور تصنیف و تالیف میں جہاں بھی تخریج و تحقیق پر کام ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ محدث کبیر، شیخ الاسلام، اسد اللہ، فخر المینا خیرین، امت مسلمہ کے عظیم محسن، محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ ہیں، انہوں نے اس فن کی تجدید کی اور لوگوں میں شعور پیدا کیا، بعض حاسدوں نے حسد کیا اور خود بدنام ہوئے۔ میں نے ایسا شخص نہیں دیکھا کہ جس نے شیخ البانی سے عداوت کی ہو اور اسے عقل مند لوگوں نے پسند کیا ہو، البتہ علمی اختلاف ہر عالم دین سے ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر اہل علم کو اس فن سے دل چسپی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

فائدہ: بندہ ناچیز نے جامعہ رحمانیہ لاہور میں درجہ ثالثہ کی کلاس ہی سے فن جرح و تعدیل کا مطالعہ شروع کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے شیخ عبدالرشید راشد فاضل مدینہ یونیورسٹی جیسے مشفق اور راہنمائی کرنے والے استاد محترم عطا فرمادیے، پھر عرصہ تین سال محدث العصر امام الجرح و التعدیل شیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ، شیخ الاسلام حافظ مسعود عالم حفظہ اللہ اور محدث العصر حافظ محمد شریف حفظہ اللہ سے علم جرح و تعدیل سیکھنے کا موقع ملا نیز جامعہ رحمانیہ میں درجہ رابعہ ہی سے استاد محترم محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ سے بھی گہرا تعلق تھا۔ بعض دفعہ شیخ رحمہ اللہ کی خدمت میں مکتبہ حضروا تک بھی حاضر ہوا، فون پر تو بہت ہی رابطہ رہا۔ اللہ تعالیٰ میرے مشائخ عظام پر رحمتیں نازل فرمائے آمین۔ یہ تفصیل بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ منہجی اختلاف اگر کسی شیخ سے کیا ہے تو مکمل بحث و تحقیق کے بعد کیا ہے اور مضبوط دلائل و براہین کی بنیاد پر کیا ہے۔ بالفاظ دیگر راقم نے دونوں گھاٹیوں سے پانی پیا ہے اور جس کو حق سمجھا، اسی کو اپنایا ہے واللہ۔

بطور تنبیہ عرض ہے کہ جو طالب علم ایک ہی شیخ سے رابطہ رکھے اور اسی فن کے ماہر

دوسرے شیخ سے رابطہ نہ کرے، وہ اپنے شیخ کے غلط منہج ہی پر قائم و دائم رہے گا الا من رحم ربی۔ چنانچہ امام ایوب سختیانی فرماتے ہیں: ”اذا اردت ان تعرف خطأ شيخك فجالس غيره“، یعنی اگر تم اپنے استاد کی غلطی پر آگاہی چاہتے ہو تو کسی عالم کے پاس بیٹھو۔  
راقم نے توفیق الہی سے علوم حدیث اور جرح و تعدیل میں کئی ایک کتب لکھ رکھی ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

- ۱ موسوعة المدلسين
- ۲ الفتح الجلیل فی ضوابط الجرح والتعديل
- ۳ علوم الحديث عند الامام ناصر الدين الألبانی
- ۴ احناف کے اصول حدیث استاد محترم محدث العصر شیخ ارشاد الحق حفظہ اللہ کی نظر میں
- ۵ محدثین کے حالات اور ان کی کتب حدیث کا منہج
- ۶ ائمہ جرح و تعدیل کے حالات اور ان کی کتب جرح و تعدیل کا منہج۔ علاوہ ازیں بعض

کتب کی تخریج و تحقیق مطبوع ہے۔ والحمد للہ

آخر میں محترم المقام جناب ابو خزیمہ عمران معصوم انصاری حفظہ اللہ کا شکر گزار ہوں جن کے خاص تعاون کی وجہ سے یہ رسالہ شائع ہونے کے قابل ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کے مال و جان اور اولاد میں برکت فرمائے اور انھیں اپنی مرضیات سے نوازے۔ آمین

راقم کس حد تک اس رسالے کو لکھنے میں کامیاب ہوا ہے، یہ قارئین ہی بتا سکتے ہیں۔ ہم نے اپنی طاقت کے مطابق اہم قواعد کو جمع کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قیمتی رسالے سے طلبہ علوم نبوت اور اہل علم کو فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے اور اسے میرے لیے، اہل و عیال، والدین اور

اساتذہ کرام کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

آپ کی دعاؤں کا محتاج

محمد ابراہیم بن بشیر الحسینی

رئیس فاطمہ توحید مسجد

جامعہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ

سوہڈل آباد، قادر آباد روڈ، بانی پاس چوک قصور

مدیر سلفی ریسرچ انسٹیٹیوٹ برمنگھم، لاہور

ialhusainwy@gmail.com

پہلا باب

# اصولِ تخریج



## اصول تخریج

### تخریج کا لغوی معنی:

لفظ ”تخریج“ یہ ”خَرَجَ، يُخْرِجُ“ سے مصدر ہے، جس کا معنی نکالنا ظاہر کرنا ہے۔

### اصلاحی تعریف:

حدیث کے اصل ماخذ کا بیان اور اس کے مختلف طرق پر بحث کرتے ہوئے اس پر صحت وضعف کے اعتبار سے حکم لگانا۔ یاد رہے کسی حدیث کا صرف اصل ماخذ بیان کر دینا یہ صرف حدیث کی نسبت بتانا ہے، یہ تخریج نہیں کہلائے گا۔ گویا تعریف میں تخریج کے تین ارکان ہیں:

۱ حدیث کا اصل ماخذ تلاش کرنا۔

۲ سندوں کو جمع کر کے ان کی اور متن حدیث کی تحقیق کرنا۔

۳ حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کا حکم لگانا۔

### علم تخریج کی نسبت تمام علوم کی طرف:

شرعی مسئلے کے حل کے لیے جانچ پڑتال کرنا ضروری ہے کہ جس حدیث پر مسئلے کی بنیاد رکھنی ہے، وہ ثابت بھی ہے کہ نہیں؟ کسی حدیث کو بیان کرنے کے لیے حدیث کی سند پر اطلاع پانے کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ جب سند سامنے ہوگی، تب رواۃ پر بحث ہوگی۔ ان مراحل سے گزرنے کے بعد ہی کوئی محدث یا محقق مطلوبہ حدیث کی تحقیق تک پہنچ سکتا ہے، جس حدیث کی بھی تحقیق کرنی ہو اس میں یہی انداز اپنایا جائے گا۔

## علم تخریج سے مدد طلب کرنا:

کسی چیز کے رد یا قبول کرنے سے پہلے اس کی جانچ پڑتال کرنا ضروری ہے، یہ تب ہی ممکن ہے جب علم تخریج سے واقفیت ہوگی، ورنہ انسان اصل حقیقت سے نا آشنا ہی رہے گا، بلکہ جو کچھ پڑھے گا، اسے حقیقت خیال کرے گا، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

## علم تخریج کا واضع:

اس کو وضع کرنے والا کوئی معین شخص نہیں ہے، اس پر مختلف ادوار گزرے ہیں جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔ زمانہ نبوی ﷺ میں اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ صحابہ کرام نے قرآن و حدیث کو براہ راست رسول اللہ ﷺ سے لیا اور صحابہ کرام تمام کے تمام ثقہ اور عادل تھے۔ اس وقت تخریج کا وجود ہی نہیں تھا، جب بعد میں کتب احادیث لکھی گئیں، تب حدیث کی اصل کتاب کی طرف نسبت کرنا ضروری ہو گیا اور سند کے وجود سے تخریج کا وجود بھی شروع ہوا۔

**حکم:**

علم تخریج کا سیکھنا فرض کفایہ ہے اور ہر اس شخص پر فرض عین ہے جس کا تعلق حدیث تفسیر، فقہ، اصول یا کسی بھی فن سے ہے، کیونکہ ہر کوئی حدیث کا محتاج ہے خواہ وہ تھوڑا محتاج ہو یا زیادہ، مثلاً ایک شخص نحوی ہے، اس کو بھی حدیث کی ضرورت پڑتی ہے، اسی طرح فقیہ اور مفسر بھی حدیث کا محتاج ہوتا ہے چونکہ حدیث ایسا فن ہے جس کی طرف ہر اہل علم محتاج ہوتا ہے، لہذا ایک نحوی کی بھی فن تخریج اور جرح و تعدیل میں وسعت نظر ہونی چاہیے، ورنہ وہ نحو میں جو مثالیں پیش کرے گا تو ان میں ضعیف اور موضوع روایات کو بھی ترویج دے گا۔ افسوس کہ آج کل علم حدیث کی طرف بہت کم توجہ دی جا رہی ہے۔

## تخریج کی اقسام

تخریج کی تین قسمیں ہیں:

### مفصل تخریج

۱

حدیث کی تمام اسانید، تمام حوالہ جات، تمام توابع اور تمام شواہد اور تمام رواۃ پر سیر حاصل بحث کرنا اور صحت و ضعف کے اعتبار سے حکم لگانا، جیسے امام البانی کی کتب ”الصحيحة، الضعيفة، ارواء الغلیل“ اور شیخ ابواسحاق الحوینی کی کتب، مثلاً ”بذل الاحسان“ وغیرہ ہیں، اس سے مکمل تشفی ہوتی ہے۔

### مختصر تخریج

۲

حدیث کی مختصر تخریج کرنا، اس میں چند حوالے لکھے جاتے ہیں اور سند پر مختصر حکم لکھا جاتا ہے یہ طریقہ بھی درست ہے لیکن اس میں نقص کافی ہیں، لیکن بعض دفعہ کافی مجبوریاں سامنے ہوتی ہیں جن کی بنا پر یہی طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ یہ طریقہ اس وقت بہتر ہے جب مفصل تخریج کی طرف رہنمائی کر دی جائے مثلاً آخر جہ ابوداؤد، وہو حدیث صحیح، وانظر تفصیله فی الارواء۔

### قاصر تخریج

۳

اس سے مراد تخریج کا وہ طریقہ ہے جس میں اس حدیث پر چند کتب کا حوالہ لکھ دیا جاتا ہے، مثلاً: أخرجه أبو داود والترمذی۔ اگرچہ فائدے سے یہ طریقہ بھی خالی نہیں لیکن صحت و ضعف کے فرق کی وضاحت نہ ہونے کی وجہ سے اصطلاحی اعتبار سے اس کو تخریج کہنا درست نہیں۔ بعض تجارت پیشہ مکتبوں نے آج کل اسی طریقے کو اختیار کیا ہوا ہے۔ ایسے لوگوں کو

صحت و ضعف کا اہتمام ماہر فن جرح و تعدیل سے کروانا چاہیے، تاکہ حدیثِ رسول ﷺ کی اہمیت سالم رہے، ورنہ وہ لوگ تخریج کرتے نظر آتے ہیں جن کو علوم حدیث کی ابجد کا بھی علم نہیں، بس اللہ تعالیٰ تمام ناشرین کو خدمتِ حدیث اور محبتِ حدیث کے جز بے سے سرشار فرمائے۔ آمین

**تخریج کے فوائد:**

تخریج کے فوائد بہت زیادہ ہیں، کیونکہ سنت کے خزانے کی طرف رسائی اس کے بغیر ممکن نہیں۔ خوش قسمت ہے وہ اہل علم جو تخریج و تحقیق کو اپنا مشغلہ بنالیتا ہے، اس سے وہ دیگر ہم عصر اہل علم پر فائق ہوتا ہے اور ایک عرصے کے بعد وہ محدثین کے زمرے میں شمار کیا جانے لگتا ہے۔ تخریج اہم ترین فن ہے، افسوس کہ اس فن میں اہل علم نہ ہونے کے برابر ہیں، اس فن پر توجہ کی ضرورت ہے، تاکہ ماہر رجالِ تخریج و تحقیق کثرت سے پیدا ہوں۔

عرب علماء میں تو بہت کام ہو رہا ہے، لیکن برصغیر پاک و ہند میں اس فن میں کام نہ ہونے کے برابر ہے، اللہ تعالیٰ اس کمی کو پورا فرمائے۔ آمین۔

تخریج کے مشہور فوائد درج ذیل ہیں:

- ۱ حدیث کے اصل مصدر کی معرفت۔
- ۲ ایک حدیث کی کئی ایک سندوں کا جمع ہونا۔
- ۳ صحیح اور ضعیف ہونے کے اعتبار سے سند کی حالت کی معرفت۔
- ۴ بعض دفعہ ایک سند میں ضعف ہوتا ہے، لیکن تتبع طرق سے اس کی کوئی صحیح سند مل جاتی ہے۔
- ۵ حدیث پر محدثین کے حکم کی معرفت۔

۶ رواۃ میں سے مہمل کی تمیز ہونا، جب ایک سند میں مہمل راوی ہو مثلاً ”عن محمد“ تو دوسری سند میں اس کی وضاحت مل جاتی ہے۔

۷ مبہم کی تعیین، بسا اوقات سند میں ایک راوی مبہم ہوتا ہے مثلاً ”عن رجل“ تو دوسری سند میں اس کی وضاحت مل جاتی ہے۔

۸ مدلس راوی کے سماع کی صراحت کا ملنا۔

۹ مختلط راوی کے اختلاط کی وضاحت کا ملنا، ایک سند میں مختلط راوی ہے تو کسی دوسری سند میں اس کی وضاحت مل جاتی ہے کہ فلاں راوی نے اس کے اختلاط میں مبتلا ہونے سے پہلے سنا ہے یا بعد میں، اگر اختلاط سے پہلے سنا ہے تو حدیث صحیح اور اگر بعد میں سنا ہے تو ضعیف۔

۱۰ حدیث میں نقص اور زیادتی کی وضاحت۔

۱۱ بعض دفعہ جس لفظ کو تلاش کیا جا رہا ہے، وہ کئی احادیث میں موجود ہے تو اس حالت میں تمام حوالہ جات کو اصل مآخذوں سے تلاش کیا جائے، تب اس اصل مقصود تک پہنچا جاسکتا ہے۔

۱۲ جو شخص اپنا وقت حدیث کو تلاش کرنے اور اس کی تحقیق و تخریج و تشریح میں گزارتا ہے، وہ لوگوں میں ممتاز ہو جاتا ہے اور مستقبل میں ”محدث“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

۱۳ مشہور محقق و محدث فضیلۃ الشیخ عبدالرؤف بن عبدالحنان بن حکیم اشرف سندھو حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

”تخریج کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ کسی حدیث پر غلط حکم لگانے سے بچا جاسکتا ہے، مثال کے طور پر ابوداؤد یا دوسری سنن میں ایک حدیث ایسی آ جاتی ہے کہ جس کی سند میں کسی راوی کے ضعیف ہونے کا حکم لگا دیا جائے تو یہ درست نہ ہوگا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ سنن بیہقی یا مسند احمد وغیرہ میں اس ضعیف یا مدلس راوی کی کسی دوسرے راوی نے متابعت کی ہو، یا اس مدلس نے وہاں تحدیث یا سماع

کی صراحت کی ہو۔ یا ان کتب میں یہ حدیث دوسرے طرق سے مروی ہو، یا اس کے شواہد ہوں جن کی بنا پر یہ حدیث صحیح، حسن یا قوی ہو جاتی ہے۔ اسی لیے بعض محققین نے کہا ہے کہ جب کوئی ایسی حدیث سامنے آئے جس کی سند ضعیف ہو تو اس حدیث کے بارے میں یہ کہنا درست نہیں ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، بلکہ کہا جائے کہ یہ حدیث اس سند سے ضعیف ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ یہ حدیث دوسری سند سے مروی ہو یا اس کے شواہد ہوں مگر جب تتبع اور بحث کے بعد ظن غالب یہ ہو کہ اس حدیث کی دوسری سند، یا شواہد نہیں ہیں تو پھر اس حدیث پر مطلقاً ضعف کا حکم لگایا جاسکتا ہے <sup>1</sup> اگر ابو داؤد یا دوسری سنن میں ایک حدیث صحیح سند سے بھی مروی ہو تو اس صورت میں بھی اس کی تخریج خالی از فائدہ نہ ہوگی۔ کیونکہ ممکن ہے کہ دوسری کتب میں اس حدیث کی دوسری سندیں یا اس کے شواہد ہوں اور اس صورت میں فائدہ یہ ہوگا کہ اس حدیث کی صحت پر مزید اطمینان ہو <sup>2</sup> جائے گا۔

## کتب تخریج کا ذکر:

کتب تخریج بہت زیادہ ہیں، جن سے طالب علم یا محقق مستغنی نہیں ہو سکتا۔ جب بھی کسی حدیث کی تخریج کرنی ہے تو کتب تخریج کی طرف مراجعت از حد ضروری ہے، تاکہ اپنے سے پہلے علماء کی محنت اور تخریج و تحقیق سے بھرپور استفادہ اٹھایا جائے، ان میں سے بعض کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

نصب الراية للزيلعي

البدرا المنير لابن الملقن

<sup>1</sup> (الباعث الحیث لاحمد شاكر ص: ۹۰)

<sup>2</sup> (القول المقبول ص: ۲۱۰۲۰)

المغنی عن حمل الاسفار للعراقی

الدراية لابن حجر

التلخیص الحبیر لابن حجر

مناهل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء للسیوطی

ارواء الغلیل للالبانی

سلسلة الأحادیث الصحيحة للالبانی اور سلسلة الأحادیث الضعيفة للالبانی  
 شیخ البانی رحمہ اللہ کی تمام کتب کا موضوع تحقیق و تخریج ہے۔ جو طالب علم اپنے آپ پر شیخ  
 کی کتب کا مطالعہ لازم کر لے، وہ تخریج و تحقیق میں پختہ ہو جائے گا۔ اللہم أدخله الجنة  
 الفردوس .

## تخریج کے طریقے

مندرجہ ذیل طریقوں سے تخریج کی جاسکتی ہے:

پہلا طریقہ:

حدیث کے کسی لفظ سے تخریج کرنا۔ اس میں متن حدیث کے کسی ایک لفظ کا یاد ہونا  
 ضروری ہے۔ اس طریقے سے تخریج کرنے کے لیے مندرجہ ذیل کتب سے حدیث تلاش کی جائے  
 گی:

المعجم المفهرس لألفاظ الحدیث النبوی

۱

اس کتاب میں حدیث کی ۹ مشہور کتب کے الفاظ کی فہارس بنائی گئی ہیں، موطا امام مالک  
 ، مسند احمد، صحیح البخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داود، سنن نسائی، سنن الترمذی، سنن ابن ماجہ اور سنن الدارمی

اگر کسی حدیث کا وجود ان نو کتب میں ہے اور اس کا کوئی لفظ یاد ہے تو مذکورہ کتاب ”المعجم المفہرس“ کی مدد سے تخریج ممکن ہے۔

۲ اگر سنن الدارقطنی میں موجود کسی حدیث کا کوئی لفظ یاد ہے تو اس کو ”المعجم المفہرس“ لفظ سنن الدارقطنی لیوسف المرعشلی“ میں تلاش کیا جائے، تب سنن الدارقطنی کی حدیث تک پہنچنا ممکن ہے۔ وہ فوائد جن کا تعلق کسی لفظ کے ساتھ تخریج کرنے سے ہے درج ذیل ہیں:

پہلا فائدہ:

اس طریقہ تخریج کے لیے مکتبہ شاملہ، مکتبہ ذبیہ وغیرہ بھی بہت اہم ہیں، ان سے بھی مدد لی جاسکتی ہے، لیکن اس میں یہ احتیاط کرنا ضروری ہے کہ مطلوبہ حدیث ملنے کے بعد اصل کتاب سے مراجعت ضرور کر لی جائے، صرف مکتبہ شاملہ وغیرہ پر انحصار کر کے حوالے لکھ دینا درست نہیں ہے۔

دوسرا فائدہ:

مذکورہ کتب میں الفاظ کی ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ جس طرح لغت سے کوئی لفظ تلاش کیا جاتا ہے، بالکل اسی طریقے سے حدیث بھی تلاش کی جاتی ہے۔

تیسرا فائدہ:

”المعجم المفہرس“ لفظ الحدیث النبوی“ میں مسند احمد کی حدیث کے ساتھ جلد اور صفحہ نمبر لکھا جاتا ہے اور نسخہ میمنیہ کا حوالہ ہوتا ہے۔ باقی کتب حدیث میں پائی جانے والی حدیث کے ساتھ کتاب کا رمز مثلاً خ، صحیح بخاری کے لئے، پھر اس میں کتاب کا نام مثلاً الطہارۃ، پھر باب کا نمبر مثلاً ۱۰۔ اکٹھا حوالہ اس طرح ہوگا: خ، الطہارۃ: ۱۰۔ باقی کتب بھی اسی طریقے پر قیاس کر لیں۔



دوسرا طریقہ: موضوعی اعتبار سے تخریج کرنا:

حدیث کے موضوع کے اعتبار سے حدیث کی تخریج کرنا۔ جس حدیث کی تخریج کرنی ہے، اس کے موضوع کا علم ہو، مثلاً: فلاں حدیث وضو کے متعلق ہے تو اس حدیث کو وضو کے متعلق احادیث میں تلاش کیا جائے گا۔ اب وضو کے متعلق حدیث کو کتاب الجہاد میں تو تلاش کرنا درست نہیں، بلکہ کتاب الطہارۃ ہی میں تلاش کرنا ہوگی، اس طریقے سے تلاش کرنے کے لئے فقہی ترتیب پر لکھی گئی کتب میں حدیث تلاش کرنا ہوگی، اس ایک مثال پر باقی کو قیاس کر لیں۔

اگر کسی حدیث کا تعلق قرآن مجید کی کسی آیت کی تفسیر سے ہے تو اس حدیث کو کتب تفسیر میں تلاش کرنا ہوگا، مثلاً تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن ابی حاتم، تفسیر الثوری، تفسیر عبدالرزاق، تفسیر مجاہد، تفسیر ابن کثیر وغیرہم۔ اگر کسی حدیث کا تعلق کسی آیت کے سبب نزول سے ہے تو اس حدیث کو سبب نزول پر لکھی گئی مستند کتب میں تلاش کیا جائے گا، مثلاً أسباب النزول للواحدی،

العجاب فی أسباب النزول لابن حجر۔ وغیرہ

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ موضوعی اعتبار سے کس طرح حدیث کی تخریج کرنی ہے۔

اگر کسی حدیث کا تعلق غریب الحدیث سے ہے تو اس کی تخریج کتب غریب الحدیث سے ہی کی جائے گی۔ کتب غریب الحدیث درج ذیل ہیں، غریب الحدیث لأبی عبید القاسم بن سلام، غریب الحدیث للحربی، غریب الحدیث لابن قتیبہ، اوران کی دوسری کتاب غلط أبی عبید، غریب الحدیث للخطابی، الغریبین لأبی عبید الہروی، المجموع المغیث فی غریب الحدیث لأبی موسیٰ المدینی، النہایۃ فی غریب الحدیث لابن الأثیر وغیرہ۔

### تیسرا طریقہ:

صحابی کے واسطے سے تخریج کرنا، اس طریقے میں مطلوبہ حدیث کے سب سے اوپر والے راوی یعنی صحابی کا علم ہو مرفوع ہونے کی صورت میں یا تابعی کے نام کا علم ہو مرسل ہونے کی صورت میں۔

محدثین نے اس طرز پر بھی کتب تصنیف کی ہیں، مثلاً جس صحابی کی روایت تلاش کرنی ہے، اس صحابی کا نام تلاش کر کے اس میں وہ مطلوبہ حدیث تلاش کی جائے گی۔ یہ طریقہ اس وقت ممکن ہے جب صحابی کے نام کا علم ہو۔ اس طریقے پر بے شمار کتب لکھی گئی ہیں، مثلاً کتب الأطراف، أطراف الصحيحین لأبی مسعود الدمشقی، أطراف الكتب الستة لأبی الفضل محمد بن طاهر بن أحمد المقدسی، الاشراف علی الأطراف لابن عساكر، تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف لأبی الحجاج المزی، اتحاف المهرة بأطراف العشرة لابن حجر العسقلانی۔

### اس طریقے کے فوائد:

۱ حدیث کے طرق ایک ہی جگہ جمع ملتے ہیں، اس سے حدیث کے متواتر، مشہور، عزیز یا غریب ہونے کا علم ہو جاتا ہے۔

۲ سندوں کا آپس میں موازنہ کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ کون کس کی متابعت کر رہا ہے یا فلاں کے کتنے تلامذہ یا شیوخ ہیں۔

۳ حدیث کو کس کس نے نکالا ہے اور وہ کتب حدیث میں کہاں کہاں پائی جاتی ہے؟  
چوتھا طریقہ:

حدیث کے ابتدائی حصے کو مد نظر رکھ کر حدیث کو تلاش کرنا، یعنی جن الفاظ سے حدیث

شروع ہو رہی ہے، ان کے ذریعے تخریج کرنا، مثلاً ”انما الأعمال بالنیات“ اس حدیث کو تلاش کرنے کے لئے ”انما الأعمال بالنیات“ کو مطلوبہ کتب سے تلاش کرنا ہوگا۔

یہ طریقہ اختیار کرنے کے لیے حدیث کے ابتدائی حصے پر مطلع ہونا ضروری ہے، پھر ابتدائی حصے کے پہلے حرف کو مطلوبہ کتب میں تلاش کرنا ہوگا جب وہ مل جائے گا تب اگلے حرف کو پھر اس کے ساتھ والے کو، اس طرح اصل مقصود تک انسان پہنچ جاتا ہے۔  
فائدہ:

اس طریقے سے انسان بڑی جلدی اصل مقصود تک پہنچ جاتا ہے لیکن اس میں یہ نقص بھی ہے کہ شروع حصے میں معمولی سی تبدیلی واقع ہو جائے تب انسان اصل مقصود تک پہنچنے میں ناکام رہتا ہے۔  
اس طریقے پر لکھی گئی کتب:

الجامع الصغیر من حدیث البشیر النذیر للسیوطی، الفتح الکبیر فی ضم  
الزیاد الی الجامع الصغیر للسیوطی، الجامع الأ زهر من حدیث النبی الأ نور  
للمناوی،، تمام کتب فہارس مثلاً فہرس مسند احمد، فہرس صحیح البخاری وغیرہ  
پانچواں طریقہ:

حدیث میں موجود کسی صفت کی بنا پر تخریج کرنا، یعنی کسی حدیث کی تخریج کرنی ہے لیکن پہلے چاروں طریقوں سے اس پر اطلاع ممکن نہیں لیکن اس مطلوب حدیث میں کوئی ایسی صفت ہے جو آپ کو یاد ہے مثلاً وہ حدیث قدسی ہے یا متواتر ہے یا مشہور ہے یا مرسل تو ایسی صورت میں اس صفت پر لکھی گئی کتب میں وہ حدیث تلاش کی جائے گی۔

اور جن آلات کو آل شیطان یہود و ہنود گمراہیوں کے لئے استعمال کر رہے ہیں، اہل علم انھیں آلات کو دین کی سر بلندی کے لئے کیوں نہ استعمال کریں؟

یاد رہے پرنٹ کتب پر کوئی بھی انگلی نہیں اٹھاتا، اسی طرح پی ڈی ایف اور یونیوڈ کتب پر بھی انگلی نہیں اٹھانی چاہئے۔ جس طرح پرنٹڈ کتب سے فائدہ اٹھانے والے بہت کم ہیں، اسی طرح شاملہ اور نیٹ سے فائدہ اٹھانے والے بھی نہایت کم لوگ ہیں، دونوں طرز کی کتب سے فائدہ اٹھانے میں محنت، جستجو، دلچسپی اور لگن چاہئے، ورنہ اکثر لوگ نہ پرنٹڈ کتب سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ شاملہ اور نیٹ۔ فافہم

## تخریج لکھنے کے اصول:

تخریج مختلف طریقوں سے لکھی جاتی ہے اور اس کو لکھتے وقت درج ذیل قواعد کو سامنے رکھنا نہایت ضروری ہے:

سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ جس کتاب سے حدیث ملی ہے، پہلے کتاب کا نام لکھا جائے، مثلاً صحیح البخاری، پھر لکھا جائے کہ صحیح بخاری کی کس کتاب میں حدیث ہے، مثلاً کتاب الایمان، پھر لکھا جائے کہ کتاب الایمان کے کس باب میں حدیث ہے، مثلاً باب فلان۔ پھر کتاب کا جزو نمبر اور صفحہ لکھا جائے، مثلاً ج ۲۲، اور پھر اس حدیث کا نمبر لکھا جائے اگر میسر ہو اور کتاب کا طبع لکھا جائے مثلاً ط: دار السلام الریاض۔

تخریج میں یہ سب سے اہم طریقہ ہے، اس سے قاری بڑی جلدی اصل کتاب میں موجود حدیث تک پہنچ سکتا ہے۔

اس طریقہ میں تخریج کو اکٹھا اس طرح لکھا جائے گا:

صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب فلان، ج ۱ ص ۲۲، ح: ۳۳، ط: دار السلام الریاض

۲ مختصر اندازِ تخریج یہ ہے کہ حدیث جس کتاب میں ہے، اس کا نام لکھ کر حدیث کا نمبر یا

صفحہ اور جلد لکھ دی جائے، مثلاً: 1

۳ تخریج لکھتے وقت کتب حدیث کے مراتب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، مثلاً کتبِ ستہ کے

مراتب یہ ہیں: صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داود، سنن النسائی، سنن الترمذی، سنن ابن ماجہ۔ تخریج لکھتے وقت کتاب کے مرتبے کے مطابق لکھا جائے گا۔

۴ اگر کوئی حدیث مسند احمد اور کتبِ ستہ میں ہے تو اصول کی پیروی کرتے ہوئے پہلے

مسند احمد کا نام لکھا جائے۔ البتہ کتبِ ستہ کے تداول اور شہرت کے اعتبار سے کتبِ ستہ کے بعد بھی مسند کا حوالہ لکھا جاسکتا ہے۔

۵ اگر ایک حدیث بخاری اور مسلم دونوں میں ہے تو لکھتے وقت دونوں کا حوالہ دینا ضروری

ہے، کیونکہ جو حدیث دونوں میں ہے، وہ صحیح حدیث کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز ہے، جس کو متفق علیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بعض مخرّجین اس اہم اصول سے ناواقف ہیں اور متفق علیہ حدیث پر صرف بخاری یا صرف مسلم کا نام لکھتے ہیں، حالانکہ یہ فحش غلطی ہے۔ مثلاً ”عذاب القبر حق“ پر صحیح بخاری لکھنا غلط ہے، کیونکہ یہ حدیث بخاری اور مسلم دونوں میں ہے، اس پر حوالہ متفق علیہ لکھنا چاہئے۔

۶ تخریج کرتے وقت سب سے پہلے حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں دیکھنی چاہئے، اگر حدیث

ان دونوں کتب یا کسی ایک میں ہے تو ہمیں یقین حاصل ہو گیا کہ یہ حدیث صحیح ہے، پھر تفصیلی تخریج کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۷ صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی حدیث کی تخریج کے وقت ”اسنادہ صحیح“ یا ”حدیث

صحیح“ لکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس حدیث کا صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں ہونا ہی اس کے صحیح ہونے کو تسلیم ہے۔ لیکن اگر کوئی صحت حدیث کے درجے کی تعیین کی خاطر لکھ دیتا ہے تو اس میں بھی کوئی قباحت نہیں جس طرح امام البانی نے بعض کتب میں اور استاد محترم شیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے مسند سراج کی تحقیق میں یہ انداز اپنایا ہے۔

۸ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ جتنی بھی کتب کے مصنفین نے اپنی کتب میں صحیح احادیث کا اہتمام کیا ہے، کسی حدیث کا ان کتب میں ہونا صحیح ہونے کے لئے کافی نہیں ہے کیونکہ ان کتب میں بے شمار ضعیف اور غیر ثابت روایات موجود ہیں، نیز ان کتب کی صحت پر اتفاق بھی نہیں ہے۔ وہ کتب درج ذیل ہیں، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، المنتقی لابن الجارود، المختارۃ لضيء المقدسی، مستدرک حاکم وغیرہ۔ ان میں اور دیگر کتب حدیث میں موجود حدیث کو لکھنے سے پہلے تحقیق کریں گے جو محدثین کے قواعد کے مطابق صحیح ہوگی، اسے صحیح تسلیم کیا جائے۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ مذکورہ بالا کتب میں موجود احادیث ان کے مؤلفین کے نزدیک صحیح ہیں اور تخریج میں ان کی تصحیح کی نسبت ان کے مؤلفین کی طرف کرنا درست ہے۔

۹ حدیث کی تحقیق و تخریج کرتے وقت اگر کوئی روایت ضعیف ثابت ہو جائے تو سبب ضعف بھی لکھنا چاہیے۔ بعض تاجر قسم کے محقق یہ تو لکھتے ہیں ”ضعیف“، لیکن وجہ ضعف نہیں لکھتے اور بعض نااہل محققین مختلف علماء کی آراء لکھ دیتے ہیں اور رائج تحقیق کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتے مثلاً اس حدیث کو حازم علی قاضی نے صحیح کہا ہے اور دکتور بسام نے ضعیف کہا ہے، جبکہ شیخ البانی نے حسن کہا ہے!! یہ انداز انتہائی غلط ہے اس سے قاری کا ذہن منتشر ہو جاتا ہے کہ اب کیا کروں؟ کس کی بات مانوں؟

۱۰ ہمارے ہاں عموماً ”مشکاۃ“ ”بلوغ المرام“ اور ”ترغیب و ترہیب“ وغیرہ کے حوالے بھی دیے جاتے ہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر کمزوری یہ ہے کہ مثلاً: حدیث تو ”المنتقى“ لا بی البرکات ابن تیمیہ میں ہے۔ مگر حوالہ ”نیل الأوطار“ کا دیا جاتا ہے۔

۱۱ تخریج کا معنی یہ ہے کہ حدیث کو کسی ایسی کتاب کی طرف منسوب کیا جائے جس کے مؤلف نے اس حدیث کو اپنی سند سے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہوا اور ساتھ ہی حدیث کا درجہ بھی بیان کیا جائے، یعنی کہنا کہ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف وغیرہ وغیرہ یہ صحیح ہے کہ حدیث پر حکم لگانا کوئی اتنا آسان کام نہیں ہے مگر محدثین عظام کا لگایا ہوا حکم نقل کرنا تو کوئی مشکل نہیں ۱

۱۲ کسی حدیث کو اس کتاب کی طرف منسوب کرنا جس میں اس کا نام و نشان نہیں، یہ بہت بڑی غلطی ہے جس سے بچنا بہت ضروری ہے، مثلاً دیکھیں مشہور من گھڑت روایت ”فأعرضوا علی کتاب اللہ“ کو اصول شاشی کے حاشیہ: نمبر ۲، ص ۶۷ میں صحیح بخاری کی طرف منسوب کیا گیا ہے، اسی طرح تفتازانی حنفی نے تلوت (۹/۲، مصر) میں بھی اس کو بخاری کی طرف منسوب کیا ہے، جو سراسر غلط ہے، اسی طرح مشہور منکر اور ضعیف روایت کہ والدین کی طرف ایک دفعہ دیکھنے سے حج مبرور کا ثواب ملتا ہے کو ”خطبات ضیاء اللہ شاہ بخاری“ میں مسلم کی طرف منسوب کیا گیا ہے، حالانکہ یہ فحش غلطی ہے۔

معروف محقق، محدث العصر شیخ عبدالرؤف بن عبدالحنان بن حکیم اشرف حفظہ اللہ (سندھو، تصور حال مقیم کویت) لکھتے ہیں: ”بعض احادیث ایسی ہیں جنہیں مؤلف (صلاة الرسول از

نسائل) نے ابوداؤد کی طرف منسوب کیا ہے، جب کہ وہ بخاری و مسلم یا دونوں میں سے کسی ایک میں موجود ہیں، اس طرح بعض احادیث ایسی بھی ہیں جن کو موصوف نے مسلم کی طرف منسوب کیا ہے، جب کہ وہ بخاری میں بھی ہیں۔ اس کے علاوہ موصوف نے بعض مسائل کے لئے ابوداؤد وغیرہ کے حوالے سے احادیث ذکر کی ہیں، جب کہ ان مسائل کے بارے میں بخاری و مسلم میں بھی احادیث موجود ہیں، یہ کمزوری صرف اور صرف اس کتاب کی نہیں بلکہ ہماری اکثر کتابوں کا یہی المیہ ہے<sup>1</sup>

حدیث کا غلط انتساب بڑے بڑے محدثین سے بھی صادر ہوا ہے، مثلاً امام حاکم حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ”کان آخر وصیۃ“ کے بارے میں فرماتے ہیں: ”وقد اتفقا علی اخراج هذا الحدیث وعلی اخراج حدیث عائشة: آخر کلمة تکلم بها الرفیق الاعلیٰ“

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث آخر کلمۃ کو بھی بیان کیا ہے۔“<sup>2</sup>

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ہمارے فاضل دوست اور عظیم محقق جن کے متعلق محدث العصر شیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ لکھتے ہیں: ”جناب خبیب صاحب میدان تحقیق کے شناور ہیں، ان سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔“<sup>3</sup>

اور ہمارے فاضل دوست شیخ خبیب احمد حفظہ اللہ کے علمی و تحقیقی مضامین رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں جو عرب و عجم کے محققین سے دادِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ والحمد للہ

1 (القول المقبول ص: ۱۶)

2 (المستدرک: ج ۳ ص ۵۷)

3 (تقدیم مقالات اثریہ ص: ۴۴)



شیخ محمد خذیب احمد حفظہ اللہ لکھتے ہیں: ”امام حاکم کا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا انتساب صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی طرف کرنا محل نظر ہے، کیونکہ یہ روایت سنن النسائی اور سنن ابن ماجہ میں ہے، علامہ مزی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو ان دونوں کتب کی طرف منسوب کیا ہے۔ (تحفة الاشراف للمزی ج ۱ ص ۳۱۹، ح: ۲۲۹) یہ روایت صحیح ابن حبان میں بھی موجود ہے جیسا کہ حافظ بیہقی رحمہ اللہ نے، موارد الظمان (ص ۲۹۸، ح: ۱۲۲۰) میں ذکر کیا ہے۔ معلوم شد کہ موارد الظمان زوائد علی الصحیحین ہے۔ یعنی اس میں صحیح ابن حبان کی ایسی روایات ہیں جو بخاری و مسلم میں نہیں، چنانچہ حافظ بیہقی رحمہ اللہ مقدمہ کتاب میں فرماتے ہیں: ”فقد رأیت أن أفرد زوائد صحیح أبی حاتم محمد بن حبان البستی علی صحیح

البخاری و مسلم“ 1

یہ مضبوط دلیل ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بخاری و مسلم میں نہیں۔ امام حاکم کا اسے ان کتب کی طرف منسوب کرنا قابل غور ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کو بھی چاہئے تھا کہ وہ اس میں امام حاکم کا تعاقب کرتے۔

تنبیہ: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اتحاف المہرۃ (ج ۲ ص ۲۴۹، ح: ۱۶۴۳) میں اسے صحیح ابن حبان اور مسند احمد کی طرف منسوب کیا ہے اور المستدرک کا حوالہ ان سے رہ گیا ہے، حالانکہ یہ کتاب ان کی شرط پر ہے۔ فلیستدرک علیہ 2

دورانِ تخریج، تخریج شدہ کتب سے استفادہ کرنا:

جب آپ تخریج کر رہے ہیں تو آپ کے ہم عصر یا ماضی کے کسی اہل علم نے جو کتب

1 (مقدمہ موارد الظمان: ص ۲۸)

2 (مقالات اثریہ ص: ۴۸۴-۴۸۵)

حدیث کی تخریج کی ہے، ان کی تخریج سے فوائد حاصل کرنا بہت ضروری ہے لیکن چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے جو درج ذیل ہیں:

۱) تخریج شدہ کتاب پر کلی اعتماد نہیں کرنا چاہئے، بلکہ جس کا حوالہ دیا گیا ہے اس کو خود ضرور دیکھنا چاہئے، مثلاً دورانِ تخریج محدث البانی رحمہ اللہ کی کتاب الصحیحة سے تخریج حدیث کے متعلق کچھ اہم حوالہ جات ملیں، تو ان حوالوں کو پہلے اصل کتب سے دیکھ لیا جائے، پھر لکھا جائے۔ اگر آپ نے حوالے خود اصل مصادر و مراجع سے دیکھے ہیں اور وہ الصحیحة میں جمع شدہ تھے تو آپ الصحیحة کا حوالہ نہ بھی لکھیں تو کوئی حرج نہیں، بلکہ اصل کتابوں کے حوالہ جات ہی کافی ہیں، لیکن اگر آپ خیال کرتے ہیں کہ الصحیحة میں کچھ نادرا اور اہم فوائد ہیں تو اصل کتب کا حوالہ دے کر آخر میں لکھ دیں مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (الصحیحة) تاکہ آپ کی کتاب سے قاری ”الصحیحة“ کے فوائد تک بھی رسائی حاصل کر سکے۔

۲) اگر آپ کسی وجہ سے اصل کتابوں سے حوالے نہیں دیکھ سکے، تب تخریج میں الصحیحة سے حوالے لکھ کر آخر میں لکھ دیں، کذا فی الصحیحة یا ماخوذ من الصحیحة یا بحوالہ الصحیحة، تاکہ امانت علمی قائم رہے۔ یہاں ایک بات بطور تنبیہ عرض ہے کہ ہمارے ایک فاضل دوست نے تفسیر ابن کثیر کی تخریج کی تھی، انھوں نے کئی جگہوں پر بطور فائدہ شیخ البانی رحمہ اللہ کی اہم کتب کے حوالے بھی دیئے تھے، تاکہ قاری تفصیل وہاں دیکھ سکے، تو تفسیر ابن کثیر پر ایک دوسرے اہل علم کو نظر ثانی کے لئے کہا گیا تو اس اہل علم نے شیخ البانی رحمہ اللہ کی تمام کتابوں کے ناموں پر قلم پھیر دیا۔ جب ابن کثیر شائع ہوئی تو کئی جگہوں پر ناشر نے شیخ البانی رحمہ اللہ کے نام قائم رکھے، تو نظر ثانی کرنے والے اہل علم نے کتاب دیکھی تو آگ بگولہ ہو گئے کہ شیخ البانی کی کتب کے حوالے کیوں رہنے دیئے؟؟ یہ انداز غلط ہے اور امت کو کسی تعصب کی وجہ سے علمی

فوائد سے محروم کرنا ہے، شیخ البانی رحمہ اللہ کی کتب کا کیا مقام ہے، پوری دنیا جانتی ہے، اب ان سے استفادہ سے کون روک سکتا ہے۔ فرحمہ اللہ

۳ اصل کتاب دیکھنے کے بہت زیادہ فوائد ہیں، جن میں اہم درج ذیل ہیں:

الف: یقین حاصل ہوتا ہے کہ یہ حدیث واقعتاً اسی کتاب میں ہے ورنہ شک ہی رہتا ہے۔  
ب: محقق کی غلطی واضح ہو جاتی ہے، مثلاً ایک حدیث مسلم کی ہے اور اس نے سنن ابی داؤد کا حوالہ دیا ہے۔

ج: محقق کی تحقیق میں وہ حدیث سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حالانکہ اصل کتب دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حدیث سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔  
ذ: محقق کی تحقیق میں روایت یا راوی ضعیف ہے لیکن اصل کتب کی طرف مراجعت کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ تو صحیح حدیث ہے یا راوی ثقہ ہے۔ یا مخرج سے راوی کی تعیین میں غلطی ہوئی ہے۔

ر: اصل کتاب دیکھنے سے حدیث پر محدث کا حکم بھی مل جاتا ہے، اس طرح بعض دفعہ اسنادی بحث یا کوئی قیمتی فائدہ خواہ فقہ کے متعلق ہو مل جاتا ہے تبویب وغیرہ سے جو پہلے محقق نے ذکر نہیں کیا ہوتا۔

ش: پہلے محقق کی نظر میں علت حدیث ایک تھی، جب اصل کتاب دیکھی تو علتیں اور بھی مل گئیں۔

ص: پہلے محقق کی نظر حدیث میں موجود ضعف کی طرف نہیں گئی، جو بعد والے پر واضح ہو گئی۔  
ط: ایک حدیث کو اصل کتاب سے تلاش کرتے ہوئے بے شمار نئے فوائد پر اطلاع ہو جاتی ہے۔

## اصول تخریج و تحقیق پر کتب:

اس فن میں جو کتب لکھی گئی ہیں ان میں سے بعض حسب ذیل ہیں:

- ۱۔ الموزن فی المراجع ... للدكتور محمود محمد
- ۲۔ تحقیق المخطوطات بین النظرية والتطبيق، للدكتور فہمی سعد والدكتور طلال مجذوب .
- ۳۔ تحقیق نصوص التراث فی القديم والحديث، للدكتور نور الدین
- ۴۔ منهج تحقیق المخطوطات للطباع
- ۵۔ المنهاج فی تالیف البحوث و تحقیق المخطوطات
- ۶۔ ضبط النص والتعلیق علیہ للدكتور بشار عواد
- ۷۔ قواعد تحقیق المخطوطات للدكتور صلاح الدین المنجد
- ۸۔ تحقیق النصوص و نشرها للدكتور عبدالسلام محمد هارن
- ۹۔ کیف تحقیق مخطوطا؟ للمبتدئین
- ۱۰۔ طرق تخریج حدیث رسول اللہ ﷺ

دوسرا باب

# اصولِ سند

## اصول سند

سند کے متعلق اصول و ضوابط درج ذیل ہیں:

(۱) سند کا مطالبہ کرنا ضروری ہے۔

جب بھی کوئی حدیث پیش کرے تو اس سے سند کا مطالبہ کرنا ضروری ہے۔ سند دین سے ہے امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

اسناد دین سے ہیں اگر اسناد نہ ہوتیں تو جو شخص جو کچھ چاہتا، کہتا۔ (مقدمہ صحیح مسلم ۳۲)  
حافظ ابونصر عبید اللہ بن سعید بن حاتم السجری فرماتے ہیں: ہر شخص جو سنت کا مدعی ہے، یہ ضروری ہے کہ جو وہ کہتا ہے اس کے بارے میں اس سے سند کا مطالبہ کیا جائے، پھر وہ اگر سند پیش کر دے (اور وہ صحیح ہو) تو اس کی سچائی معلوم ہو جاتی ہے اور اس کی بات قبول ہو جاتی ہے  
فرق باطلہ کی اکثر بدعات و خرافات کا سرچشمہ ضعیف، موضوع اور بے سند روایات ہوتی ہیں جو ساری کی ساری صحیح سند کا مطالبہ کرنے سے ختم ہو جاتی ہیں۔ والحمد للہ.

(۲) سند کا صحیح ہونا ضروری ہے۔

جب بھی کوئی سند پیش کرے تو اس وقت تک وہ قبول نہ کی جائے جب تک وہ صحیح ثابت نہ ہو، اگر وہ حدیث محدثین کے اصول کے مطابق صحیح ہے تو اس پر عمل واجب ہے اور اسے ترک کرنا حرام ہے اور اس سے انکار کرنا کفر ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں: جو شخص نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیث معلوم ہو جانے یا نبی کریم

ﷺ جو لائے ہیں اس پر محدثین کا اجماع ہونے کے بعد اس کا انکار کرے تو وہ کافر ہے <sup>1</sup>

## صحیح سند کی شرائط:

کسی بھی سند کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں تین شرطیں پائی جائیں۔

پہلی شرط: سند متصل ہو یعنی ہر راوی کا دوسرے سے لقاء اور سماع ہو۔

دوسری شرط: تمام راوی عادل ہوں یعنی حقیقی مسلمان ہوں، فاسق و فاجر نہ ہوں۔

تیسری شرط: تمام راوی حفظ و ضبط کے اعتبار سے مضبوط ہوں۔ جب یہ تینوں شرطیں کسی سند میں پائی جائیں گی تب وہ سند صحیح ہوگی۔

فائدہ: سند کے صحیح ہونے سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔ یہ بات جاننا نہایت ضروری ہے کہ جب ایک سند صحیح ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حدیث بھی صحیح ہوگی، کیونکہ متن کے صحیح ہونے کے لیے دوا لگ شرطیں ہیں:

پہلی شرط: وہ شاذ نہ ہو

دوسری شرط: وہ معلول نہ ہو

اگر سند صحیح ہے لیکن وہ متن شاذ ہے تب متن حدیث کو شاذ ہی کہا جائے گا، مثلاً حدیث

(واذ قرأ فأنصتوا)

فائدہ: بعض محدثین سند اور متن دونوں کے صحیح ہونے پر ”سندہ صحیح“ کا اطلاق کر دیتے ہیں، اس طرح بعض میں ضعف ہونے کی وجہ سے ”سندہ ضعیف“ کہہ دیتے ہیں خواہ اس کا متن صحیح بخاری کا بھی کیوں نہ ہو!

تحقیق حدیث کے وقت صرف ایک سند کو پیش نظر رکھ کر حکم نہیں لگانا چاہیے، بلکہ پہلے اس حدیث کی تمام اسانید کو جمع کیا جائے، پھر تمام پر بحث کرتے ہوئے حدیث پر حکم لگایا جائے، جس طرح شیخ البانی کرتے ہیں، اور اگر متن میں کوئی خرابی ہے تو اس پر بھی تبصرہ کیا جائے۔

اور شواہد اور توابع کو نظروں میں رکھنا بہت ہی فائدہ مند ہے۔

## حدیث کی تحقیق کرنے کا طریقہ:

جس حدیث کی تحقیق کرنی ہے، اس میں مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھا جائے، پھر آپ تحقیق میں اصل نتیجہ کو حاصل کر سکتے ہیں:

الف: مطلوبہ حدیث کی تمام سندوں کو جمع کرنا۔

ایک حدیث کی تمام سندوں کو جمع کرنے کا طریقہ اس طرح ہے کہ آپ اس حدیث کی سب سے پہلے تخریج کریں کہ یہ حدیث کس کس کتاب میں آتی ہے؟ جتنی کتب حدیث میں وہ حدیث آتی ہے، ہر ایک کتاب کی سند الگ الگ لکھتے جائیں مثلاً آپ کے پاس اس ایک حدیث کی ۱۰ سندیں جمع ہو گئی ہیں، اب ان تمام میں غور کریں کہ یہ جمع کہاں ہوتی ہیں؟ جس راوی پر یہ سندیں جمع ہو رہی ہیں، گویا وہ مرکزی راوی ہے جس کے بعد دس کی دس سندیں ایک ہو گئی ہیں اور اس مرکزی راوی سے پہلے سندیں مختلف ہیں، اب ہر راوی پر تحقیق شروع کریں۔

راوی کی تحقیق کرنے کا طریقہ:

۱) راوی کا تعین کہ یہ وہی راوی ہے جس کی تلاش ہے، اس کا تعین اساتذہ اور شاگردوں کو دیکھنے سے ہوتا ہے، اس میں راوی کی کنیت اور نسبت بھی معاون ثابت ہوتی ہیں۔ راوی کے تعین کے بعد راوی پر جرح و تعدیل دیکھی جائے۔

رواۃ کا صحیح تعین کرنا بہت ضروری ہے، دوران تحقیق جس راوی پر جرح و تعدیل کے لحاظ سے بحث کرنی ہے، سب سے پہلے اس راوی کا تعین ضروری ہے کہ راوی کون ہے؟ اصل نام سے واقفیت حاصل کی جائے، پھر دیگر امور پر عمل کیا جائے۔ بعض محققین اس میں عجلت کی وجہ سے تعین میں غلطیاں کر جاتے ہیں، جس سے راوی کوئی سے کوئی ہو جاتا ہے۔

بطور نمونہ چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔



کتاب الصمت لابن ابی الدنیا کی تحقیق و کتور نجم عبدالرحمن خلف نے کی ہے، اس کتاب کی تحقیق میں محقق سے راویوں کے تعین میں بہت غلطیاں سرزد ہوئی ہیں، جن کی تفصیل محدث العصر امام ابواسحاق الحوینی حفظہ اللہ نے اپنی کتاب ”تحقیق کتاب الصمت“ کے (مقدمہ: ص ۱۵ تا ۱۵) میں درج کی ہے، اس سے چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔ شیخ الحوینی حفظہ اللہ نے تو (۴۷) مثالیں پیش کی ہیں۔ ان میں سے بعض پیش خدمت ہیں:

۱ کتاب الصمت رقم الحدیث: ۲۳، عاصم، عن ابی وائل۔ محقق نجم عبدالرحمن خلف نے کہا:

عاصم ہو ابن سلیمان۔ محدث الحوینی نے فرمایا: وهذا خطأ، انما هو عاصم بهد له کتاب الصمت رقم الحدیث: ۲۹، عن ابن ابی لیلیٰ، محقق نجم نے کہا، ابن ابی لیلیٰ

هو عبد الرحمن انصاری: المدنی الکوفی

محدث الحوینی نے کہا: یہ غلطی ہے، درست محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ ہے

۳ کتاب الصمت رقم: ۳۵ عبد اللہ بن محمد الانصاری، محقق نے کہا: عبد اللہ

بن محمد الانصاری له الاذان، مختلف فیہ .

محدث الحوینی نے کہا: یہ غلطی ہے درست یہ ہے کہ وہ عبد اللہ بن محمد بن سعد

الانصاری ہے

۴ کتاب الصمت: رقم، ۷۶ الاعمش عن صالح بن حیان: ثقة، آخرهما

صالح بن حیان القریشی ضعیف ہے۔

محدث الحوینی نے کہا: محقق پر نام میں تصحیف ہو گئی ہے۔ درست بات یہ ہے کہ وہ صالح

بن خباب ہے۔

(ب) تحقیق حدیث میں ضعیف راوی کی متابعت تلاش کرنی چاہیے، اگر ضعیف راوی کا تابع

مل گیا ہے تو اس سے ضعف مضر نہیں رہتا۔

(ج) تحقیق حدیث کرتے وقت حدیث کا شاہد تلاش کرنا۔ اگر ایک سند ضعیف ہے لیکن اس کا صحیح شاہد مل گیا تو وہ حجت ہوگی۔

(د) اگر کسی سند میں کثیر التذلیس راوی عن سے بیان کر رہا ہے تو اس مدلس راوی کے سماع کی صراحت دیگر کتب سے تلاش کرنی چاہیے، جب مدلس سماع کی صراحت کر دے تو اس کی روایت صحیح ہو جاتی ہے۔

(ر) تحقیق کرتے وقت اپنے سے پہلے محدثین و محققین کی تحقیق سے بھی فائدہ اٹھانا چاہیے اور ان کی آرا کو بھی مد نظر رکھنا نہایت ضروری ہے، کیونکہ ان کی نظر بہت وسیع تھی اور وہ فن تخریج و تحقیق میں پختہ تھے۔ دلیل کی بنا پر ان سے اختلاف بھی ممکن ہے، لیکن یہ اختلاف کسی شاذ اصول یا تعصب کی وجہ سے نہیں ہونا چاہئے، جس طرح بعض لوگوں نے باور کروایا ہے حالانکہ وہ بذات خود شاذ اصولوں کو آڑ بنا رہے ہوتے ہیں۔

(س) تحقیق کرتے وقت جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہئے، بلکہ بہت زیادہ محنت کرنی چاہئے خواہ ایک حدیث کی تحقیق میں ایک سال لگ جائے، کیونکہ یہ معاملہ شریعت کا ہے۔ حدیث کو صحیح کہا تو دین کا حصہ شمار ہوگی اور اگر ضعیف کہا تو دین تصور نہیں کی جائے گی۔ وہ علماء جو تحقیق میں عجلت سے کام لیتے ہیں، منہوں سینڈوں میں تحقیق کرتے ہیں اور پھر اگلے ہی گھنٹے اس سے رجوع کر لیتے ہیں، پھر چند دن بعد کوئی تحقیق سامنے آئی تو اور موقف بنا لیا، گویا اس طرح ایک حدیث کے بارے میں کئی مرتبہ اپنی تحقیق بدلتے نظر آتے ہیں، اس کی وجہ صرف جلد بازی ہے۔ ہونا یہ چاہئے کہ ایک حدیث کی تحقیق کرتے وقت تمام طرق جمع کیے جائیں، تمام محدثین کا کلام اس حدیث پر دیکھا جائے، اب تو انٹرنیٹ اور مکتبہ شاملہ وغیرہ بھی عام ہیں، ان سے بھی مدد لی جائے اور اصل سے مراجعت کر لی جائے، پھر موجودہ محققین اہل علم سے مشورہ کیا جائے، پھر استخارہ کیا جائے، جب

پورا یقین ہو جائے تب جا کر اس تحقیق کو حتمی شکل دی جائے۔ پھر پڑھنے والا کہے گا کہ واقعاً تحقیق کا حق ادا کیا ہے، ورنہ تحقیق مذاق بن جائے گی۔ اس موقع پر ایک مثال دینا فائدہ سے خالی نہیں، مشہور حدیث طلب العلم فریضة کی تحقیق کرتے وقت محدث البانی رحمہ اللہ نے لکھا کہ میں نے اس کی آٹھ سندیں جمع کی ہیں باقی جمع کر رہا ہوں۔<sup>1</sup>

شیخ کے شاگرد محدث ابواسحاق الحونی حفظہ اللہ نے اسی حدیث کی تخریج بائیس صفحات پر مکمل کی اور بیس سے زیادہ سندیں جمع کیں، پھر ہر سند پر بحث کی اور آخر میں خلاصہ نکالا کہ یہ حدیث حسن درجے کی ہے۔ والحمد للہ، گویا انھوں نے تحقیق کا حق ادا کر دیا۔ ایک طرف یہ تحقیق ہے اور دوسری طرف ایک یا دوسروں میں تحقیق، اس سے منصف مزاج شخص فن تخریج میں محنت اور مشقت کا اندازہ بخوبی لگا سکتا ہے، کہ یہ کام عجلت میں کرنا چاہیے یا اس کے لئے لمبا وقت درکار ہے اور بڑا صبر آزما کام ہے۔

تیسرا باب

# اصول تحقیق

## اصول تحقیق

رواۃ پر جرح و تعدیل اور متاخرین و متقدمین محدثین کے درمیان فرق

جب بھی کسی راوی کی تحقیق کرنی ہے تو ائمہ جرح و تعدیل کی کتب سے خوب استفادہ کرنا ہے، خواہ وہ کتب متقدمین کی ہوں یا متاخرین کی۔ بعض اہل علم اس موقع پر متاخرین کو کوئی اہمیت نہیں دیتے جو سراسر غلط ہے۔ اس بات کو تین مثالوں سے سمجھانے کی کوشش کریں گے ان شاء اللہ۔

مثال نمبر ۱: محمد بن ابی احمد، مولیٰ زید بن ثابت کو متقدمین میں سے صرف امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ثقہ قرار دیا ہے جب کہ متاخرین میں سے حافظ ضیاء مقدسی (المختارۃ: ۳۷۷، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱) حافظ ہیثمی (مجمع الزوائد: ج ۲ ص ۱۴) حافظ ابن کثیر (تفسیر ابن کثیر: ج ۱ ص ۲۲۶) حافظ ابن حجر (فتح الباری: ج ۷ ص ۳۳۲) حافظ سیوطی (لباب النقول فی اسباب النزول ص: ۶۲) اور علامہ احمد شاہ مصری (تفسیر الطبری ص ۲۱۷ فی الحاشیۃ) نے بھی اس کی توثیق کی ہے۔ اس مثال سے درج ذیل باتیں ثابت ہوئیں:

۱ یہ راوی ثقہ ہے کیونکہ اس کو امام ابن حبان کے علاوہ کئی محدثین نے ثقہ کہا ہے، گویا ابن حبان اکیلے نہ رہے۔

۲ یہ جملہ کہہ کر کہ ابن حبان کے علاوہ باقی تمام متاخرین ہیں، لہذا متاخرین کی بات معتبر نہیں، متاخرین کی بات کو رد کر دینا غلط منہج ہے۔

۳ اس راوی کی ان محدثین کے توثیق کرنے کے باوجود اگر کوئی کہے: محمد بن ابی احمد ”مجہول وثقہ ابن حبان وحدہ“ تو اس کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

مثال نمبر ۲: ایک راوی ہے ولید بن زوران، اس کو متقدمین میں سے صرف امام ابن حبان نے ثقہ کہا ہے، ان کے علاوہ امام بیہقی اور ابن حجر نے بھی اس کو ثقہ کہا ہے تو اگر کوئی کہے کہ متقدمین میں سے صرف ابن حبان اکیلے نے ہی ثقہ کہا اس لئے یہ راوی مجہول ہی ہے۔ تو اس کی بات غلط قرار دی جائے گی اور اس میں بھی صحیح بات یہ ہے کہ اس راوی کو ابن حبان کے ساتھ بیہقی اور ابن حجر نے بھی ثقہ کہا ہے، جو دونوں اگرچہ متاخرین ہیں لیکن انھیں بھی رواۃ پر حکم لگانے کا ملکہ تامہ موجود تھا، بلکہ متاخرین کو کچھ نہ سمجھنا اور یہ کہہ کر ان کی خدمات جلیلہ پر پانی پھیر دینا کہ وہ متاخرین ہیں، انتہائی خطرناک معاملہ اور منہج ہے۔ متقدمین ہوں یا متاخرین، ان سے دلیل کی بنا پر اختلاف ہو سکتا ہے۔ مسئلہ اصول حدیث (مثلاً حسن لغیرہ) ہو یا رواۃ کی توثیق و تخریج دونوں جگہ پر یہ فرق درست نہیں مثلاً حسن لغیرہ کو امام بیہقی، ابن حجر وغیرہ حجت تسلیم کرتے ہیں تو اس کو حجت ہی تسلیم کیا جائے گا (یاد رہے کہ یہ بطور مثال بیان کیا ہے ورنہ ان سے پہلے بھی بہت سے محدثین سے حسن لغیرہ کا حجت ہونا ثابت ہے، تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔)

مثال نمبر ۳: ام محمد راویہ کو ابن حبان اور ابن عبد البر نے ثقہ کہا ہے، اس راویہ کو ثقہ ہی مانا جائے گا اور اس کی حدیث صحیح ہوگی، اگر کوئی کہے کہ ابن عبد البر متاخر ہیں تو اس کی بات مردود ہوگی کیونکہ متاخرین اور متقدمین کا یہ فرق درست نہیں ہے۔ ہم انھیں تین مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ مثالیں تو اور بھی بہت زیادہ ہیں۔

امام الجرح والتعديل شیخ الاسلام محب اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اور حافظ ذہبی نے بھی اس کے متعلق ”وثقہ“ کہا ہے، اس لئے صرف ابن حبان کی توثیق نہیں رہی بلکہ حافظ ذہبی

نے بھی اس کی تائید کی ہے، لہذا وہ مجهول الحال نہیں رہے۔“ 1

## سند میں سفیان سے مراد؟

سند میں جب سفیان آجائے تو اس سے مراد ثوری ہیں یا ابن عیینہ؟ اس فرق کی تفصیل پیش خدمت ہے۔

حافظ ذہبی فرماتے ہیں: ثوری کے شاگرد کبار اور پرانے ہیں اور ابن عیینہ کے شاگرد صغار ہیں، انھوں نے ثوری کو نہیں پایا اور یہ بات واضح ہے، پس جب قدیم رواۃ نے بیان کیا ہو اور نام میں صرف سفیان بولا جائے تو اس سے مراد ثوری ہوں گے اور وہ وکیع، ابن مہدی، فریبی اور ابو نعیم کی مثل ہیں۔ ان راویوں میں سے اگر کوئی ابن عیینہ سے بیان کرے گا تو ان کا مکمل نام (سفیان بن عیینہ) واضح طور پر لے گا، صرف سفیان نہیں کہے گا اور جس راوی کی ثوری سے ملاقات ہی نہیں ہوئی اور اس نے ابن عیینہ کو پایا ہے تو وہاں تنبیہ کی ضرورت ہی نہیں، اس کے لئے رواۃ کے طبقات کی معرفت ہونا ضروری ہے۔ 2

یہ ایک اہم قاعدہ ہے جو اکثر تلامذہ پر مخفی ہے۔

## جرح کرنے والا اگر خود ضعیف ہے تو اس کی جرح قبول نہیں کی جائے گی:

ازدی خود ضعیف ہے، اس نے کسی راوی پر جرح کی تو اس پر تعلیق لکھتے ہوئے حافظ ذہبی فرماتے ہیں: ”ہذہ مجازفۃ لیت الأزدی عرف ضعف نفسه“، یہ ظلم ہے کاش ازدی اپنے

ضعف کو پہچانتے۔ 3

1 (فتاویٰ راشدیہ: ج ۱ ص ۳۰۱)

2 (سیر أعلام النبلاء: ج ۷ ص ۴۶۶)

3 (السیر: ج ۱۳ ص ۳۸۹)

امام ابن حبان فرماتے ہیں: ”من المحال ان يجرح العدل بكلام المجروح.“ یہ بات محال ہے کہ عادل راوی پر مجروح کے کلام کے ساتھ جرح کی جائے۔ اسی طرح کچھ اور ضعیف راوی ہیں جو جرح و تعدیل کے لحاظ سے رواۃ پر حکم لگاتے ہیں، ان کی نہ جرح قبول ہے اور نہ ہی توثیق۔ مثلاً شاذ کوفی، ابن خراش، سلمة بن القاسم، ذولابی وغیرہ۔

## اہم اصطلاحات:

اس بحث میں علوم حدیث کی اہم اصطلاحات پر بحث کی جائے گی۔ ان شاء اللہ

### ۱ صحیحہ الحاکم ووافقہ الذہبی:

اس کا مطلب ہے کہ اس حدیث کو امام حاکم نے صحیح کہا ہے اور حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

یہ اصطلاح علماء کے ہاں مشہور ہے۔ مستدرک حاکم کی تلخیص میں جس حدیث پر حافظ ذہبی خاموشی اختیار کریں، اس خاموشی کو موافقت باور کیا جاتا ہے حالانکہ یہ بات غلط ہے، کیونکہ کئی ضعیف اور موضوع روایات کو امام حاکم نے صحیح کہا اور ان پر ذہبی نے خاموشی اختیار کی ہے، بلکہ تلخیص مستدرک میں بعض روایات کو صراحتاً صحیح کہا ہے لیکن اپنی دیگر کتب میں ان پر سخت نکیر کی ہے، یاد رہے صرف اس جگہ حافظ ذہبی کی موافقت تصور ہوگی، جہاں موافقت کا لفظ بولیں یا خود صحیح کہیں، یا ”قُلْتُ کَمَا قَالَ“ جیسے الفاظ کہیں، ورنہ محض خاموشی کو موافقت قرار دینا درست نہیں ہے۔ اس اصول پر سیر حاصل بحث کا مطالعہ کرنے کے لئے فاضل محقق شیخ خلیب احمد حفظہ اللہ کی قیمتی اور لا جواب کتاب (مقالات اثریہ، ص: ۷۹ تا ۸۰) کا مطالعہ کریں۔

### ۲ حافظ ذہبی کا کسی راوی کے متعلق کہنا: وَثُق:

حافظ ذہبی اس اصطلاح کا اطلاق عام طور پر اس راوی پر کرتے ہیں جس کو صرف امام



ابن حبان نے صحیح کہا ہوتا ہے اور حافظ ذہبی خود ان راویوں کو میزان میں مجھول کہہ دیتے ہیں۔  
تفصیل کے لئے دیکھئے: 1

### ۳ رجالہ رجال الصحیح .

اس کا معنی یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی صحیح (بخاری یا مسلم یا صحیح حدیث) کے راوی ہیں، اگر کسی حدیث کے متعلق کوئی محدث یہ اصطلاح استعمال کرے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث صحیح ہے، اس جملہ سے صرف صحیح حدیث کی ایک شرط کا ثبوت ملتا ہے کہ راوی ثقہ یا صدوق ہیں اور یہ بھی بات تحقیق کی محتاج ہوتی ہے، کیونکہ بخاری اور مسلم کے کچھ راوی ایسے بھی ہیں جن کی روایت بخاری و مسلم میں ہونے کی وجہ سے صحیح ہے لیکن ان کی حدیث اگر کسی دوسری کتاب میں آجائے تو ضعیف ہوتی ہے۔ فافہم صرف راویوں کے ثقہ و صدوق ہونے سے حدیث کا صحیح ہونا ثابت نہیں ہوتا، بلکہ دیگر چیزوں کی بھی تحقیق کرنا ضروری ہے، مثلاً سند کا متصل ہونا، اس روایت کا شاذ اور معلول نہ ہونا۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ”صحیح کے راوی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے مروی ہر حدیث صحیح ہو۔“ 2

### ۴ رجالہ ثقات .

اس کا معنی ہے کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں، اس سے بھی روایت کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ روایت منقطع ہو سکتی ہے، اس طرح کوئی اور علت بھی ممکن ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ”لا یلزم من کون رجالہ ثقات ان یکون صحیحاً۔“ راویوں کے ثقہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث صحیح ہے۔ 3

1 (الصحیحۃ للالبانی: ج ۵ ص ۱۷۹)

2 (النکت لابن حجر: ص ۲۷۵)

3 (التلخیص الحبیر: ج ۳ ص ۱۹)

## ۵. أصح شیء فی الباب .

اس کا مطلب ہے کہ اس باب میں سب سے زیادہ صحیح حدیث یہی ہے۔  
اس عبارت سے بھی حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا بلکہ محدثین اس اصطلاح کو ضعیف حدیث کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں اور اس وقت وہ مراد لیتے ہیں کہ اس باب میں یہ حدیث سب سے زیادہ رائج یا سب سے کم ضعف والی ہے۔<sup>1</sup>

حدیث صحیح بمقابلہ حدیث صحیح الاسناد، حدیث حسن بمقابلہ حدیث حسن الاسناد زیادہ درجہ والی ہوتی ہے کیونکہ صحیح مطلق طور پر سند اور متن کے صحیح ہونے پر دلالت کرتا ہے جبکہ صحیح الاسناد سے صرف سند کا صحیح ہونا لازم آتا ہے۔ اس سے متن میں موجود کسی علت کی نفی نہیں ہوتی۔

## ۷. يَتَلَقَّنُ: وہ لقمہ قبول کرتا ہے

کتب جرح و تعدیل میں کئی راویوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ ”يَتَلَقَّنُ“ وہ لقمہ قبول کرتا تھا، اس کا مطلب ہے کہ راوی کو کوئی چیز بتائی جائے اور وہ اسے یہ امتیاز کئے بغیر بیان کرتا ہے کہ یہ بات میری ہے یا نہیں۔ جو راوی لقمہ قبول کرتا ہے، اس سے یہ خطرہ ہوتا ہے کہ وہ ایسی روایت بیان نہ کر دے جو اس کی نہیں۔

## تدلیس کے متعلق چند اہم اصول:

### پہلا اصول:

قلیل التدلیس راوی کی عن والی روایت صحیح ہوتی ہے الا کہ اس میں تدلیس ثابت ہو جائے۔ ماقبل میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں، یہاں ایک مثال پیش خدمت ہے۔ امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کی قلت تدلیس کی وجہ سے محدثین نے ان کی معنعن

روایت قبول کی ہے، جیسا کہ متعدد اہل علم نے تصریح کی ہے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ”وہ بسا اوقات تدلیس کرتے تھے۔“<sup>1</sup>

حافظ علائی نے انھیں دوسرے طبقہ میں شمار کیا ہے اور کہا ہے: ائمہ نے ان کے عن کو قبول کیا ہے۔<sup>2</sup>

علامہ سبط ابن العجمی فرماتے ہیں: ”ائمہ نے ان کا عنعنہ قبول کیا ہے۔“  
حافظ ابن حجر نے خود فتح الباری (ج ۱۰ ص ۲۷) میں انھیں قلیل التدلیس کہا ہے اور یہی رائج ہے۔

دکتور خالد بن منصور الدرلیس حفظہ اللہ (الحديث الحسن: ج ۱ ص ۷۹)

دکتور عبد اللہ دوفو (مقدمہ مرویات الزہری المعللة: ج ۱ ص ۵۴-۵۵)

محدث ابواسحاق الحونینی (بذل الاحسان: ج ۱ ص ۱۷، ۱۸)

دکتور ناصر بن حمد الفہد (منہج المتقدمین فی التدلیس ص: ۸۴-۸۵)

دکتور محمد بن طلعت (معجم المدلسین ص: ۴۱۶-۴۲۰)

دکتور حاتم شریف العونی (التخریج و دراسة الاسانید، ص: ۷۷)

استاد محترم محدث العصر شیخ ارشاد الحق اثری (توضیح الکلام، ج ۱ ص ۳۸۸-۳۹۰)

وغیرہ علماء بھی اس بات کے قائل ہیں کہ قلیل التدلیس کا عن سے روایت کرنا مضرب نہیں ہے۔

دوسرا اصول: جو مدلسین صرف ثقہ راویوں سے بیان کریں تو ان کا عنعنہ مقبول ہوگا یہی

موقف رائج ہے اور ائمہ فن کا یہی موقف ہے مثلاً

حافظ ابوالفتح الازدی (الکفایة: ج ۲ ص ۳۸۶)

حافظ ابوعلی الحسین بن علی بن زید الکرایمی (شرح علل الترمذی لابن رجب: ص ۵۸۳)

1 (میزان الاعتدال: ج ۴ ص ۴۰)

2 (جامع التحصیل، ص: ۱۳۰-۱۳۵)

حافظ بزار (النکت لابن حجر: ج ۲ ص ۶۲۴)

ابو بکر الصیر فی (النکت لابن حجر: ج ۲ ص ۶۲۴)

ابن عبد البر (التمہید: ج ۱ ص ۱۷)

قاضی عیاض (مقدمہ اکمال المعلم، ص: ۳۴۹)

حافظ علائی (جامع التحصیل، ص: ۱۱۵)

حافظ ذہبی (الموقفہ ص: ۱۳۲) وغیرہ

اس کی مثال میں صرف امام ابن عیینہ آتے ہیں۔ ان کے متعلق محدثین نے صراحت کی ہے کہ وہ صرف ثقہ راویوں ہی سے تدلیس کرتے تھے اور ان کا عن سے روایت کرنا کوئی مضر نہیں۔

امام ابن عیینہ کے عن کو ائمہ نے قبول کیا ہے مثلاً

حافظ ابوالفتح ازدی فرماتے ”ہم ابن عیینہ جیسوں کی تدلیس (عنعنہ) قبول کرتے ہیں۔ (الكفایہ

: ۳۸۷/۲، رقم: ۱۱۶۵) امام ابن حبان نے یہی موقف اپنایا ہے۔ (مقدمہ الاحسان: ۱۲۱/۱)

حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں: محدثین کے بقول ابن عیینہ کی تدلیس (مععن) مقبول ہے۔ (التمہید:

۳۱/۱) قاضی عیاض (مقدمہ اکمال المعلم: ۳۴۹/۳۴۸) حافظ ذہبی فرماتے ہیں: ”ان (ابن

عیینہ) سے احتجاج پر امت کا اجماع ہے وہ مدلس تھے مگر معروف ہے کہ وہ صرف ثقہ سے تدلیس کرتے

تھے۔“ 1

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: دوسرا طبقہ ان مدلسین کا ہے جن کی تدلیس کو ائمہ نے برداشت کیا ہے... یا

وہ صرف ثقہ سے تدلیس کرتے ہیں جیسے ابن عیینہ ہیں (طبقات المدلسین: ۱۲) حافظ دارقطنی فرما

تے ہیں: وہ صرف ثقات سے تدلیس کرتے ہیں 2

1 (میزان الاعتدال: ۱۷۰/۲، سیر اعلام النبلاء: ۲۴۲/۷)

2 (سوالات الحاکم للدارقطنی: ۱۷۵)

اس پر بہت زیادہ محدثین اور ائمہ فن کے اقوال ملتے ہیں، ہم انہیں پراکتفا کرتے ہیں۔

## تیسرا اصول: تدلیس کثیر کرنے والا راوی جب عن سے بیان کرے۔

مدرس راویوں کے مختلف طبقات ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ راوی اگر کثرت سے تدلیس کرتا ہے تو اس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے مگر جو راوی قلیل التدلیس ہو تو اس کی معنعن روایت مقبول ہوگی الا کہ اس کی روایت میں تدلیس ثابت ہو جائے۔ یعنی وہ روایت تدلیس شدہ ہو گی، امام علی بن مدینی فرماتے ہیں: اذا كان الغالب عليه التدليس فلا حتى يقول: حدثنا۔ جب تدلیس اس پر غالب آجائے تب وہ حجت نہیں ہوگا، یہاں تک کہ وہ سماع کی صراحت کرتے ہوئے حدثنا (یا سمعت یا أخبرنا) کہے۔<sup>1</sup>

امام مسلم نے فرمایا: ”محدثین نے جن راویوں کا اپنے شیوخ سے سماع کا تتبع کیا ہے، وہ ایسے راوی ہیں جو حدیث میں تدلیس سے مشہور ہیں، وہ اس وقت ان کی روایات میں صراحت سماع تلاش کرتے ہیں، تاکہ ان سے تدلیس کی علت دور ہو سکے۔“ (مقدمہ صحیح مسلم ص: ۲۲ ط دارالسلام) یہی موقف محدثین کا ہے۔

## حافظ ابن حجر کا سکوت:

حافظ ابن حجر کا اپنی کسی بھی کتاب مثلاً فتح الباری، التلخیص الحبیرو، الدرایہ، ہدایۃ الرواة وغیرہ میں حدیث کو بیان کر کے اس پر سکوت اختیار کرنے سے اس حدیث کا حافظ ابن حجر کے نزدیک صحیح یا حسن ہونا لازم نہیں آتا۔ فتح الباری اور ہدایۃ الرواة کے مقدمہ میں حافظ ابن حجر نے خود کہا ہے کہ جس حدیث پر میں خاموشی اختیار کروں، وہ میرے نزدیک حسن ہے۔ لیکن وہ اس اصول پر پورے نہیں اترے، بلکہ بعض کذاب و متروک راویوں کی روایات پر بھی

1 (الكفاية للبغدادی: ج ۲ ص ۳۸۷ و هو صحیح)

خاموش رہے ہیں مثلاً:

۱ احمد الباہلی بالاتفاق متروک اور کذاب روای ہے، لیکن اس سے مروی حدیث

پر حافظ ابن حجر نے سکوت اختیار کیا ہے۔ 1

۲ عبد الغفار بن قاسم کذاب اور متروک کی روایت پر حافظ صاحب نے خاموشی

اختیار کی ہے۔ 2

۳ اسی طرح محمد بن سائب کلبی کی جھوٹی مروی روایت پر حافظ ابن حجر نے

خاموشی اختیار کی 3

صاحب بصیرت کے لیے یہی تین مثالیں کافی ہیں کہ حافظ ابن حجر اپنی کتاب میں کذاب اور متروک راویوں کی روایات موضوع پر بھی خاموشی اختیار کر جاتے ہیں تو ان کا سکوت حسن ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: 4

امام حاکم اور علامہ ذہبی کا سکوت:

امام حاکم کا مستدرک حاکم میں اور حافظ ذہبی کا تلخیص مستدرک حاکم میں کسی حدیث پر خاموشی اختیار کرنا ان کے نزدیک حدیث کے صحیح ہونے پر دلالت نہیں کرتا بعض لوگ اپنے مسلک کی تائید میں وارد روایت کو صحیح باور کرانے کے لیے مذکورہ بے بنیاد اصول کا سہارا لے لیتے ہیں اور

1 (فتح الباری: ۳۱۶/۲، التلخیص: ۱۳۳/۲)

2 (فتح الباری: ۵۰۳/۸)

3 (فتح الباری: ۱۵۳/۷)

4 (اعلاء السنن فی میزان: ص ۸۹، ۷۴)

## مسلمک کے خلاف

حدیث میں اپنے اس مزعومہ اصول کی دھجیاں اڑا دیتے ہیں۔ امام حاکم نے تو مستدرک میں کذاب اور ضعیف راویوں کی روایات پر بھی سکوت اختیار کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا سکوت حدیث کے صحیح ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔

تفصیل کے لیے (اعلاء السنن فی المیزان: ص، ۸۹-۹۴، اور مقالات اثریہ: ص، ۵۱۱/۴۷۹) دیکھیں

## راویوں کے متعلق چند اہم فوائد:

۱) راوی پر جرح و تعدیل کے لحاظ سے حکم لگاتے وقت مختصر کتب جرح و تعدیل پر اکتفا کرنا درست نہیں، مثلاً الکاشف للذہبی، المغنی للذہبی، تقریب التہذیب لابن حجر وغیرہ۔ بلکہ مفصل کتب کی طرف مراجعت انتہائی ضروری ہے، خصوصاً اس وقت جب کسی راوی میں اختلاف ہو جائے کہ وہ ثقہ ہے یا ضعیف، تب مفصل کتب جرح و تعدیل کی طرف مراجعت ضروری ہو جاتی ہے مثلاً الجرح و التعدیل لابن ابی حاتم، التاریخ الکبیر للبخاری، تہذیب الکمال للمزی وغیرہ، لیکن اگر مفصل کتب سے تحقیق کرنے کے بعد ثابت ہو کہ یہ راوی ثقہ ہے اور مختصر کتب میں بھی یہی لکھا ہو تو پھر مختصر کتب کا حوالہ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

## ۲ رواۃ تین قسم کے ہیں

۱) وہ رواۃ جن کے ثقہ ہونے پر اتفاق ہے۔

۲) وہ رواۃ جن کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔

۳) وہ رواۃ جن کے ثقہ یا ضعیف ہونے میں اختلاف ہے۔ تحقیق کے دوران میں مختلف فیہ

رواۃ پر بہت زیادہ محنت کرنی چاہیے اور اقرب الی الصواب قول کو اختیار کرنا چاہیے۔

۳ احادیث تین قسم کی ہیں

۱ وہ احادیث جن کے صحیح ہونے پر اتفاق ہے

۲ وہ احادیث جن کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے

۳ وہ احادیث جن کے صحیح یا ضعیف ہونے میں اختلاف ہے۔

دوران تحقیق مختلف فیہ احادیث پر بہت زیادہ محنت کرنی چاہیے اور اقرب الی الصواب قول کو اختیار کرنا

چاہیے۔ نیز دیکھیے: 1

۴ اگر کسی حدیث کو ناقد محدث کسی علت کی بنا پر معلول قرار دے تو اس علت کو تسلیم کیا جائے

گا۔ اس طرح جب وہ کسی حدیث کو صحیح قرار دے تو اسے صحیح تسلیم کیا جائے گا۔ اگر کوئی دوسرا محدث

اس سے اختلاف کرے تو ترجیح کی صورت نکالی جائے گی۔ طرفین کی تحقیق پر غور و فکر کے بعد ایک کو

راجح کہا جائے گا۔ 2

۵ دوران تخریج ہر ہر راوی پر مفصل بحث کرنا فوائد سے خالی نہیں ہے، لیکن اگر وہ ثقہ ہے تو

توثیق کے چند اقوال مع حوالہ جات لکھ دینے کافی ہیں، مثلاً ایک راوی ثقہ ہے، اس کی محدثین میں

سے دس نے توثیق کی ہے تو وہاں صرف تین چار محدثین کے اقوال پر اکتفا کرنا اور ساتھ ”وغیرہ“ لکھ

دینا کافی ہے۔

۶ اگر کوئی معتبر محدث کسی حدیث پر حکم لگاتے وقت لکھ دے: ”رجالہ ثقات“ تو اس سے

حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ صحیح حدیث کی پانچ شرائط ہیں تو ”رجالہ ثقات“ وغیرہ کہنے

1 (دلائل النبوة للبيهقي ج ۳۲/۱-۳۸ مجموع الفتاوى لابن تيميه: ۴۹/۱۸)

2 (النكت على ابن الصلاح لابن حجر: ۷۱۱/۲)



سے راویوں کا ثقہ اور عادل ہونا تو اس کے نزدیک ثابت ہوتا ہے لیکن باقی تین شرطیں اس میں نہیں پائی جاتیں، لیکن اس پر اعتماد کرنے سے پہلے تمام رواۃ کے حالات خود دیکھ لیے جائیں، تاکہ حقیقی یقین حاصل ہو اور شک و شبہ ختم ہو جائے، کیونکہ بعض محدثین صرف اکیلے ابن حبان کی توثیق کی وجہ سے بھی ”رجالہ ثقات“ کہہ دیتے ہیں، مثلاً حافظ پیشی مجمع الزوائد میں ایسا کرتے ہیں دیکھیے: مقدمہ الجامع الکامل فی الحدیث الصحیح الشامل للمحدث ضیاء الرحمن اعظمی حفظہ اللہ مدرس المسجد النبوی۔

﴿۷﴾ تخریج میں حدیث کی اصل کتب کی طرف نسبت کرنا ضروری ہے، ایسی کتب جو مختصرات ہیں اور ان کی سندیں بھی محذوف ہیں، مثلاً ”مشکوٰۃ اور بلوغ المرام“ تو تخریج میں ان کی طرف حدیث کی نسبت کرنا کوئی فائدہ نہیں دیتا، لیکن اگر اصل کتاب کے حوالے کے ساتھ مشکوٰۃ یا بلوغ المرام کا بھی نام لکھ دیا جائے پھر درست ہے۔

﴿۸﴾ دوران تخریج صرف ایک نسخے پر اعتماد کرنا درست نہیں ہے، بلکہ اس کتاب کے جتنے بھی مطبوع یا مخطوط نسخے ہوں، تمام تک رسائی ضروری ہے، کیونکہ بعض دفعہ ایک حدیث ایک مخطوط میں نہیں ہوتی، لیکن وہی حدیث کسی دوسرے مخطوط میں ہوتی ہے مثلاً یہ بات مشہور ہے کہ ”انما الأعمال بالنیات“ موطا امام مالک میں نہیں ہے، حالانکہ یہ حدیث اس موطا میں ہے جو سوید بن سعید روایت کرتے ہیں۔ کذا قال السیوطی 1

اسی طرح سنن الترمذی میں ”حسن صحیح“ نقل کرنے میں نسخوں میں بہت زیادہ اختلاف ہے، جس طرح ابن اصلاح (مقدمہ ابن اصلاح ۱۲/ص ۳۲۰، بتحقیق نور الدین العترة) نے کہا ہے اور اس کی کئی علماء محدثین نے وضاحت کی ہے، شیخ احمد شاکر مصری نے اپنی تحقیق سنن

الترمذی میں اس مشکل کو حل کرنے کی غرض سے انتہائی عمدہ کام شروع کیا تھا لیکن زندگی نے وفانہ کی اور وہ یہ کام مکمل نہ کر سکے۔ فجزاہ اللہ خیرا۔

۹۔ تخریج سے حدیث پر کتب حدیث و اجزاء وغیرہ کے حوالوں کو جمع کرنا مقصد نہیں ہوتا۔ بلکہ تخریج کا مقصد حدیث کے مرتبے کی پہچان کرنا ہے اور طرق حدیث پر بحث کرنا اس وقت اہم بلکہ فرض ہو جاتا ہے جب کسی تابع یا مدلس کے سماع کی صراحت یا مبہم راوی کے نام کی صراحت تلاش کرنا مقصود ہو یا قیمتی اسنادی فوائد پیش نظر ہوں۔

۱۰۔ دوران تخریج حدیث کا حوالہ مشہور متداول کتب سے دینا چاہیے، اگر ان میں ہو۔ لیکن مشہور کتب میں حدیث بھی ہے لیکن وہ حوالہ دور کی کسی کتاب کا دے رہا ہے تو یہ درست نہیں ہے مثلاً: اگر کوئی سنن ابی داؤد کی حدیث پر سنن ابی داؤد کی بجائے مستدرک حاکم کا حوالہ لکھتا ہے تو یہ فنی اعتبار سے درست نہیں۔ مستدرک حاکم کی بنسبت سنن ابی داؤد قریب کی مشہور اور متداول کتاب ہے۔ امام ابن قطان نے ”بیان الوہم والایہام“ میں مستقل باب باندھا ہے کہ وہ احادیث جن کو علامہ اشعری نے دور کی کتب کی طرف منسوب کیا ہے۔

۱۱۔ اگر کوئی حدیث بخاری و مسلم دونوں میں ہے تو حوالہ لکھتے وقت دونوں کا حوالہ لکھنا ضروری ہے، تاکہ حدیث کو اصل درجہ حاصل ہو۔ مثلاً ”عذاب القبر حق“ بخاری و مسلم دونوں میں ہے لیکن اگر کوئی اس پر صرف بخاری کا حوالہ لکھتا ہے تو گویا قاری اس حدیث کو صحیح حدیث کے درجوں میں سے دوسرا درجہ دے رہا ہے، حالانکہ وہ حدیث بخاری و مسلم (متفق علیہ) کی اعلیٰ درجہ کی حدیث ہے۔

۱۲۔ اگر بخاری و مسلم یا صرف بخاری یا صرف مسلم میں ہے تو قیمتی فائدے کی غرض سے ان کے علاوہ دیگر کتب سنن وغیرہ کے حوالے لکھنا بھی درست ہے لیکن تا جراتہ سوچ رکھ کر کتاب کا حجم

بڑھانے کے لیے بالکل درست نہیں۔

۱۳) دورانِ تخریج صرف کتاب کا نام لکھ دینا کافی نہیں بلکہ مکمل حوالہ لکھنا چاہیے، مثلاً صحیح بخاری کتاب فلاں، باب فلاں، رقم الحدیث فلاں یا جز فلاں۔ یا صحیح البخاری، کتاب فلاں، باب فلاں۔ یا صحیح البخاری رقم الحدیث فلاں، ان طریقوں سے پہلا طریقہ زیادہ فوائد پر مشتمل ہے، اس میں کتاب، باب، رقم الحدیث، جز یا جلد اور صفحہ نمبر تمام چیزیں آجاتی ہیں، جس سے قاری کا حدیث تک پہنچنا انتہائی آسان ہو جاتا ہے۔

۱۴) کتب حدیث اور رجال کا منہج سمجھنا بہت ضروری ہے، اس پر بحث آگے آرہی ہے ان شاء اللہ

۱۵) تحقیق حدیث میں جہاں سند کی تحقیق میں روات پر بحث ہوتی ہے اور سند میں اتصال یا انقطاع معلوم کرنا ضروری ہوتا ہے۔ وہاں متن کی تحقیق بھی بہت ضروری ہے، وہ متن شاذ، منکر، مضطرب، مقلوب، وغیرہ کی قسموں میں سے تو نہیں۔ گویا صرف سند کی تحقیق کو پیش نظر رکھنا غلط ہے، جس طرح ہمارے بعض شیوخ چلے ہیں!!! تحقیق میں متن کو بھی پیش نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔

۱۶) اگر سند کے تمام روات ثقہ ہیں اور اس میں صحیح حدیث کی باقی شروط بھی موجود ہیں تو اس پر ”صحیح لذاتہ“ کا حکم لگایا جائے گا۔

۱۷) اگر سند کے تمام روات ثقہ ہیں سوائے ایک کے اور وہ صدوق درجے کا ہو تو اس کا حکم ”حسن لذاتہ“ ہوگا

۱۸) ضعیف روایت کو بیان کرتے وقت صیغہ تمریض استعمال کیا جائے گا، تاکہ قاری وہم میں نہ پڑے۔ افسوس کہ بعض علماء ضعیف روایت کو بھی صیغہ جزم کے ساتھ روایت کر دیتے ہیں،

حالانکہ یہ انداز درست نہیں۔ حافظ ابن الصلاح نے اس پر عمدہ بحث کی ہے۔ ۱

۱۹ جس طرح صحیح حدیث کی اقسام ہیں تو تخریج کے وقت جو حکم ثابت ہو، وہی لگانا چاہیے، اسی طرح ضعیف حدیث کی بھی بہت زیادہ اقسام ہیں، جو حکم جس پر ثابت ہوگا وہی لگایا جائے گا، مثلاً اگر روایت موضوع ہے تو اس کو موضوع ہی کہا جائے گا، اگر اس پر حکم ضعیف کا لگا دیا تو یہ غلط شمار ہوگا، اس پر شیخ البانی رحمہ اللہ نے بہت زور دیا ہے۔ فجزاہ اللہ خیراً

۲۰ بعض علماء حسن حدیث کو صحیح سے الگ نہیں کرتے بلکہ حسن پر بھی صحیح کا اطلاق کر دیتے ہیں مثلاً ابن خزیمہ اور ابن حبان وغیرہما۔ اگر دیکھا جائے تو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بے شمار حسن روایات موجود ہیں، لیکن ان کو صحیح میں شمار کیا گیا ہے۔

### ضعیف حدیث کو بیان کرنے کا طریقہ:

جب کسی ضعیف حدیث کو لکھنا ہو یا بیان کرنا ہو تو اس وقت جزم کے صیغہ (صیغہ معروف) سے بیان نہیں کرنا چاہیے بلکہ صیغہ تملیض (صیغہ مجہول) سے بیان کرنا چاہیے افسوس ان بعض خطیبوں پر جو پہلے صیغہ جزم کے ساتھ تفصیل سے ضعیف قصہ یا روایت بیان کرتے رہتے ہیں اور تقریر کے آخر میں کہہ دیتے ہیں: ”فیہ مقال یا فیہ کلام“ اس انداز سے سامع کو اس ضعف کا کچھ علم نہیں ہوتا نہ ہی وہ لوگ فیہ مقال یا فیہ کلام کا مطلب سمجھ رہے ہوتے ہیں!!

یہ طریقہ غلط ہے، بلکہ پہلے یہ بتانا چاہیے کہ ایک ضعیف روایت ہے اس سے بچو، اس پر عمل کرنا چھوڑ دو، پھر وہ روایت بیان کی جائے، اس کے متعلق علامہ نووی لکھتے ہیں: محدثین اور محققین کا یہ کہنا ہے کہ جب حدیث ضعیف ہو تو اس کے بارے میں یوں نہیں کہنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے یا آپ نے کہا یا آپ نے کرنے کا حکم دیا ہے یا منع کیا ہے اور اسی طرح دوسرے جزم کے صیغوں سے بیان نہیں کرنی چاہیے، بلکہ ان سب صورتوں میں یوں کہا جائے کہ آپ ﷺ سے روایت کی گئی ہے، یا نقل کیا گیا ہے یا روایت کی جاتی ہے، وغیرہ وغیرہ

کیوں کہ جزم کے صیغے روایت کی صحت کے متقاضی ہوتے ہیں، لہذا ان کا اطلاق اسی روایت پر کیا جانا چاہیے، جو صحیح ثابت ہو، ورنہ وہ انسان رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھنے والے کی مانند ہوگا، مگر اس ادب کو جمہور فقہاء اور دیگر اہل علم نے ملحوظ نہیں رکھا سوائے ماہرین محدثین کے۔

جرح و تعدیل:

یہ ایک مستقل فن ہے، اس کی تفصیلات کا یہ محل نہیں، بعض چیزوں کی طرف اشارہ مقصود ہے، تفصیلات کے لیے اس فن پر لکھی گئی کتب کا مطالعہ کیا جائے۔ توفیق الہی سے راقم نے بھی اس فن پر درج ذیل کتب لکھ رکھی ہیں:

۱ موسوعة المدلسين

۲ الفتح الجلیل فی ضوابط الجرح والتعديل

۳ علوم الحديث عند الامام محمد ناصر الدين الالباني

۴ احناف کے اصول حدیث استاد محترم محدث العصر شیخ ارشاد الحق حفظہ اللہ کی نظر میں

۵ محدثین کے حالات اور ان کی کتب حدیث کا منہج

۶ ائمہ جرح و تعدیل کے حالات اور ان کی کتب جرح و تعدیل کا منہج۔ یسر اللہ لنا طبعها

ائمہ جرح و تعدیل کے کچھ طبقات ہیں۔ کچھ محدثین جرح کرنے میں بہت ہی متشدد ہیں اور کچھ تعدیل کرنے میں متساہل اور کچھ معتدل ہیں۔ معتدلیں کی تعدیل کے مقابلے میں متشددین کی جرح کا کوئی خاص اعتبار نہیں اور متساہلین کی تعدیل کا معتدلیں کی جرح کے مقابلے میں کوئی خاص وزن نہیں۔

## راویوں کو ثقہ یا ضعیف ثابت کرتے وقت انصاف کرنا!

دورانِ تحقیق کسی راوی کو ثقہ یا ضعیف ثابت کرتے وقت انصاف سے کام لینا فرض ہے، کیونکہ اگر ایک راوی نا انصافی کی وجہ سے ضعیف ہو گیا تو اس کی روایات پر تنقید ہوگی اور اگر کوئی راوی نا انصافی کی وجہ سے ثقہ ثابت کر دیا گیا تو اس کی احادیث کو صحیح سمجھا جائے گا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بعض متعصب اور مقلد اہل علم اپنی مستدل حدیث کو صحیح ثابت کرنے کے لیے اس کے راویوں کو ثقہ ثابت کریں گے خواہ انھیں جیسے مرضی ثقہ کہنا پڑے، حالانکہ وہ راوی ضعیف ہوتا ہے بلکہ کذاب و دجال راویوں کو بھی ثقہ ثابت کیا جاتا ہے۔ یا اسفا۔ اس پر مفصل بحث کے لیے دیکھیے استاذ محترم محدث العصر ارشاد الحق اثری صاحب حفظہ اللہ کی لاجواب کتاب ”اعلاء السنن فی المیزان“ اور ”مولانا سرفراز صفدر اپنی تصانیف کے آئینے میں“ اسی طرح بعض اہل علم اپنے غلط اصول کو ثابت کرنے کے لیے بطور مثال جب کسی روایت کو ثابت کرنا ہو تو اس کے راویوں کو ثقہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں اور وہاں انصاف کو چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ انداز خیانت پر مبنی ہے بلکہ جرح و تعدیل کے ائمہ کی بات رائج قرار دی جائے۔ خواہ وہ جرح و تعدیل کسی پر بھی ہو۔

## ثقہ کی زیادتی:

تعریف: جب راوی کسی حدیث (سند یا متن یا دونوں) میں کسی اضافے کو اپنے استاد سے بیان کرنے میں باقی راویان سے علیحدہ ہو تو اسے ”زیادة الثقه“ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔<sup>1</sup>

(اختصار علوم الحدیث لابن کثیر: ص ۶۱)

## زیادۃ الثقه کے حکم کا خلاصہ:

مصطلح الحدیث میں زیادۃ الثقه کی بحث میں محدثین نے جو تفصیل بیان کی ہے

اس کا خلاصہ یہ ہے:

۱) زیادتی کے رد اور انکار کا مدار اس پر ہوگا کہ وہ زیادتی دوسرے ثقہ راویوں کی روایت کے منافی ہوگی تو ایسی صورت میں جمہور محدثین کے ہاں ناقابل اعتماد ہوگی۔

۲) اگر وہ منافی نہ ہو اور کوئی قرینہ اس کے خطا، نسیان یا وہم پر بھی دلالت نہ کرے، یعنی اس زیادت کو ایک مستقل حدیث ایسی اساسی حیثیت حاصل ہو تو وہ بلاشبہ قابل قبول گی۔

فضیلۃ الشیخ محدث العصر ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے (توضیح الکلام ص: ۶۶ تا ۶۷) میں زیادۃ الثقه پر جو کلام کیا ہے، وہ لائق مطالعہ ہے۔

۳) راوی کا حال قبول اور رد کا میزان ہوتا ہے۔ اگر زیادت کا راوی احفظ اور اوثق ہو، یعنی اس زیادت کو نہ بیان کرنے والے سے زیادہ ثقہ ہو تو اس زیادت کو قبول کیا جائے گا۔ اگر دونوں تعدیل کے مرتبے میں برابر ہوں، تب بھی اس زیادت کو قبول کیا جائے گا۔ اگر زیادت کا راوی، زیادت نہ کرنے والوں سے ثقاہت میں کم ہو تو اس کی زیادت قابل اعتبار نہ ہوگی، وہ بلاشبہ شاذ کے زمرے میں آئے گی۔ البتہ بعض دفعہ قرآن و شواہد کی بنا پر اس سے مختلف حکم بھی لگ سکتا ہے۔ یہ اس زیادت کا خلاصہ ہے، جو محدثین نے مصطلح الحدیث میں شاذ اور منکر کے تحت بیان کیا ہے۔

## صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ کسی بھی کتب صحاح پر اعتماد نہیں:

صحیحین کے علاوہ جس نے بھی صحیح احادیث پر مشتمل کتب لکھنے کی کوشش کی ہے تو وہ تمام احادیث صحیح نہیں لاسکا۔ بلکہ ضعیف اور موضوع روایات کو بھی صحیح میں درج کر دیا ہے، مثلاً:

۳ اس پر عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا عقیدہ نہ رکھا جائے۔ (القول البدیع فی فضل

الصلاة علی الحبيب الشفیع: ص ۲۵۸) پہلی شرط پر حافظ علانی نے علماء کا اتفاق نقل کیا ہے ۱

۴ عمل کرنے والے کا یہ عقیدہ ہو کہ حدیث ضعیف ہے۔ ۲

۵ مدح اور ذم کے لحاظ سے اس حدیث میں بیان کردہ مسئلہ شریعت میں ثابت ہو۔

۶ یہ ضعیف حدیث صحیح حدیث کی تفصیلات و توضیحات وغیرہ پر مشتمل نہ ہو۔ ۳

تبصرہ:

کیونکہ غیر ثابت چیز کی رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کرنا ہی درست نہیں ہے۔ دین اسلام مکمل ہے اس میں ذرہ بھی نقص نہیں ہے تو فضائل میں غیر ثابت چیز کو دین میں داخل کرنا مشعر ہے کہ دین میں یہ فضائل کی کمی تھی۔ معاذ اللہ

محدث العصر امام محبت اللہ شاہ رشدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”میں سمجھتا ہوں کہ حافظ ابن حجر نے ضعیف حدیث کے فضائل اعمال میں قبولیت کی جو شرائط تحریر فرمائی ہیں، وہ بھی دراصل ضعیف سے روکنا ہی مقصود ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ انھوں نے ضعیف حدیث کی مقبولیت کے متعلق براہ راست اس لیے اظہار کی جرات نہیں فرمائی کہ چند بڑے بڑے فضلاء علماء مثلاً امام احمد جیسے بزرگوں نے بھی ایسی ضعیف حدیث جو موضوع مضطرب اور منکر نہ ہو اس پر عمل میں کچھ تساہل اختیار کیا ہے، لیکن حافظ وغیرہ کی صحیح حکمت عملی نے ایسی شروط مقرر فرمادیں جو نہ تو ان کا پوری طرح سے ایفاء

۱ (تدریب الراوی: ۲۹۸/۱)

۲ (تبیین العجب بماورد فی فضائل رجب لابن حجر: ۷۲)

۳ (حکم العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال لاشرف بن سعید المصری: ص ۵۵)



ہی ہو سکتا ہے اور نہ ہی وہ قابل عمل بن سکتی ہیں فجز اہ اللہ خیر! <sup>1</sup>

ان شرائط پر مفصل بحث و تنقید شیخ غازی عزیر مبارک پوری حفظہ اللہ نے اپنی کتاب (ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت: ص، ۳۱۵/۲۶۴) میں کی ہے۔

## جب جرح و تعدیل میں تعارض آجائے؟

اگر کسی راوی کے متعلق تعارض آجائے، یعنی کچھ اس کو ثقہ کہہ رہے ہیں اور کچھ ضعیف۔ تو ایسی صورت میں ائمہ جرح و تعدیل کے مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے راوی پر راجح موقف اختیار کریں گے، مثلاً ایک راوی کو صرف امام ابن معین، امام بخاری اور امام دارقطنی ثقہ کہیں، لیکن امام ابن حبان، حاکم وغیرہ ضعیف کہیں خواہ ضعیف کہنے والے ان جیسے دس کیوں نہ ہوں تو ان دس کی بات مرجوح ہوگی اور تین ائمہ جو جرح و تعدیل کے متفق ائمہ تھے، ان کی بات مانی جائے گی، خواہ وہ تین ہی ہوں، کیونکہ تساہل ائمہ سوا مل کر بھی ان اعلیٰ درجے کے ائمہ میں سے تین کے برابر نہیں ہو سکتے۔

یاد رہے کہ ”جمہوریت“ غلط ہے، خواہ الیکشن میں ہے یا تحقیق رواۃ میں۔ یہ اصول ہی باطل ہے کہ جس کو زیادہ ثقہ کہیں وہ ثقہ ہے۔ ۵ کے مقابلے میں ۶ زیادہ ہیں، لہذا ۶ کی بات مانی جائے گی۔ یہ کوئی اصول نہیں ہے۔ حقیقت میں راوی ثقہ ہو اور اس کو اتفاقاً اکثر محدثین بھی ثقہ کہہ رہے ہیں اور بعض متاخرین اہل علم نے لکھا بھی ہو کہ ”وثقہ الجمہور“ تو اس سے یہ اصول وضع کر لینا کہ ہر جگہ جمہور کی بات مانی جائے گی، درست نہیں ہے۔

مجہول: اگر ثقہ راوی سے صرف روایت کرنے والا ایک راوی ہے تو اسے مجہول العین کہتے ہیں اور اگر اس سے دو ثقہ روایت کریں اور اس کی کسی نے توثیق نہ کی ہو تو اسے مجہول الحال

کہتے ہیں۔

فائدہ: ابن الجوزی تخریج و تحقیق میں کافی اوجہ کا شکار ہوئے ہیں، ان کی ضروری تفصیل محدث مصر امام ابوالسحاق الحوینی حفظہ اللہ نے اپنی کتاب ”جنة المروءات“ کے مقدمہ (ص: ۱۰ تا ۱۴) میں بیان کی ہے فجزاہ اللہ خیرا

امام ابن جوزی کے کسی راوی پر حکم لگانے میں اعتماد نہ کیا جائے۔ امام ابن جوزی اپنی کتاب میں راویوں پر جرح و تعدیل کے حوالے سے ان کے ثقہ یا ضعیف ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔ لیکن وہ اس فن کے ماہر نہیں تھے اسی وجہ سے محدثین نے ان پر تنقید شدید کی ہے۔ مثلاً حافظ ذہبی لکھتے ہیں: میں نے حرثانی کے خط سے پڑھا ہے کہ ابن الجوزی اپنی تصانیف میں بہت زیادہ غلطیاں کرنے والے تھے، وہ کتاب لکھ کر فارغ ہوتے اور اس کو معتبر نہیں سمجھتے تھے۔<sup>1</sup>

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ابان بن یزید العطار کو ابن الجوزی نے اپنی کتاب ضعفاء میں ذکر کیا ہے اور اس کی توثیق کرنے والوں کے اقوال ذکر ہی نہیں کیے یہ بات اس کی کتاب کے عیوب سے ہے کہ وہ جرح لکھ دیتے ہیں اور توثیق سے خاموشی اختیار کرتے ہیں۔<sup>2</sup>

حافظ ذہبی ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ابو حاتم نے طالت بن عیاد کو ثقہ کہا ہے لیکن ابن جوزی نے بغیر کسی تحقیق کے کہہ دیا کہ ”ضعفه علماء النقل“ اس کو علمائے نقل نے ضعیف کہا ہے۔ میں (ذہبی) کہتا ہوں کہ میں قیامت تک تلاش کرتا رہوں لیکن میں کسی ایسے محدث کو نہیں پاؤں گا جس نے اس کو ضعیف کہا ہو۔<sup>3</sup>

1 (تذکرۃ الحفاظ: ۱۳۴۷/۴)

2 (میزان الاعتدال: ۱۷/۱)

3 (میزان الاعتدال: ۳۳۴/۲)

حافظ سیوطی فرماتے ہیں: ”فما له فيه ذوق المحدثين“ ابن جوزی میں محدثین کا ذوق نہیں ہے (احادیث کو پرکھنے اور راویوں پر جرح و تعدیل کا حکم لگانے میں) <sup>(1)</sup> مذکورہ تفصیل سے ثابت ہوا کہ ابن الجوزی اگر کسی راوی پر حکم لگائیں تو اسے آنکھیں بند کر کے نہیں لینا چاہیے جب تک مکمل تحقیق نہ کر لی جائے، کیونکہ ابن جوزی راویوں پر حکم لگانے میں غفلت کا شکار ہوئے ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمیں اس طرح کے لوگوں کی کتب سے پوری توجہ سے نقل کرنا چاہیے۔

### مرضی کے قواعد بنانا درست نہیں!

بعض لوگ اپنے مذہب کی خاطر بعض غلط اور بے بنیاد قواعد کا سہارا لیتے ہیں، حالانکہ انہیں قواعد پر عمل کرنا ہوگا جو محدثین نے اپنائے، اس طرح اسلام کو بہت نقصان پہنچا کہ مرضی کے غلط اور شاذ قواعد بنانے کی وجہ سے کتنی ہی ضعیف روایات کو صحیح قرار دیا گیا، اور اس کے برعکس بھی کتنی ہی صحیح احادیث کو ضعیف قرار دیا گیا، اس منہج کو اپنانے میں انتہائی خطرناک نتائج سامنے آتے ہیں۔ چند باطل قواعد کی تفصیل درج ذیل ہے۔

قاعدہ نمبر ۱: بعض نے کہا، ”التدليس والارسال في القرون الثلاثة لا

يضرنا“ قرون ثلاثہ میں تدلیس اور ارسال ہمیں مضر نہیں۔ <sup>(2)</sup> تبصرہ: حالانکہ تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بے شمار راوی تدلیس کرتے تھے، حالانکہ یہ اصول ہے کہ جو کثیر تدلیس کرنے والا راوی ہے، اس کی عن سے مروی روایت ضعیف ہے۔ اسی

(1) (طبقات المغیرین: ۱۷ بحوالہ حنة المرتاب لابی اسحاق الحوينی: ص، ۱۲، ۱۱)

(2) (اعلاء السنن: ۳۱۳/۱)

طرح مرسل تابعی رائج قول کے مطابق جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہوتی ہے، کیونکہ اس میں تابعی رسول اللہ ﷺ سے براہ راست بیان کرتا ہے اور تابعی کے بعد رواۃ کا ہمیں علم نہیں کہ وہ کون ہیں اور کتنے ہیں؟ اس لیے وہ روایت ضعیف ہوتی ہے۔

قاعدہ نمبر: ۲ بعض علمائے احناف لکھتے ہیں: ”والا نقطاع لا یضرنا“ انقطاع ہمیں نقصان نہیں دیتا ①

تبصرہ: یہ بات محدثین کے اصول کے خلاف ہے۔ انقطاع کی وجہ سے روایت ضعیف ہوتی ہے یہی محدثین کا اصول ہے۔

قاعدہ نمبر: ۳ بعض اہل علم نے کہا کہ ہر مدلس کی عن سے مروی روایت ضعیف ہوتی ہے! تبصرہ: حالانکہ یہ بات بھی درست نہیں، کیونکہ محدثین متقدمین سے لے کر اب تک کے تمام محدثین و محققین، سوائے چند اہل علم کے، محدثین کثیر التذلیس راوی کی روایت عن سے مروی ہو تو اسے ضعیف کہتے ہیں لیکن اگر راوی قلیل التذلیس ہے مثلاً زہری وغیرہ تو اس کی عن سے مروی روایت کو صحیح کہتے ہیں الا یہ کہ تذلیس ثابت ہو جائے۔

قاعدہ نمبر: ۴ بعض اہل علم نے کہا: ”حسن وغیرہ حجت نہیں“ تبصرہ: یہ اصول بھی باطل ہے، ائمہ متقدمین اور متاخرین سے یہ بات کثرت سے ثابت ہے کہ حسن وغیرہ حجت ہوتی ہے۔ اپنی شروط کے ساتھ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

قاعدہ نمبر: ۵ کذاب اور ضعیف راوی کو ثقہ ثابت کرنے کی کوشش کرنا! تبصرہ: جو راوی اصول محدثین اور جرح و تعدیل کی روشنی میں ضعیف یا کذاب ثابت ہو جائے تو

وہ ضعیف اور کذاب ہی ثابت کیا جائے گا، یہی امانت علمی ہے۔ افسوس کہ بعض اہل علم مرضی کے راوی کو ثقہ ہی ثابت کرتے ہیں خواہ وہ بالاتفاق کذاب یا ضعیف ہی ہو، مثلاً جابر الجعفی کذاب ہے، مگر بعض مطلب کی روایات میں ان کو ثقہ ثابت کرنے کی بے جا کوشش کی جاتی ہے !!

قاعدہ نمبر ۶: مختلف فیہ راوی کی روایت حسن درجے کی ہوتی ہے؟

تبصرہ: یہ قاعدہ بھی اپنی فقہ کو تقویت دینے کے لیے احناف استعمال کرتے ہیں حالانکہ یہ قاعدہ ثابت نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ مختلف فیہ راوی کے متعلق ائمہ جرح و تعدیل کے اقوال دیکھ کر رائج فیصلہ کریں گے۔ اگر وہ ضعیف ثابت ہوا تو ضعیف کا حکم لگایا جائے گا اور اگر وہ ثقہ یا صدوق ثابت ہوا تو اس کو ثقہ یا صدوق ثابت کیا جائے گا۔

قاعدہ نمبر ۷: کسی بھی امام کے سکوت سے حدیث کا اس کے نزدیک صحیح یا حسن ہونا لازم نہیں آتا۔

بعض لوگوں نے یہ بات مشہور کر دی ہے کہ اس حدیث پر فلاں امام نے سکوت اختیار کیا ہے گویا یہ حدیث صحیح ہے! حالانکہ یہ بات درست نہیں۔

قاعدہ نمبر ۸: امام ابو داؤد کا سکوت؟

یہ اصول سرے سے غلط ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے، احناف اس اصول کو بہانہ بنا کر صحیح باور کراتے ہیں !!

حالانکہ حافظ ابن حجر نے اس کے غلط ہونے پر مفصل بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ امام ابو داؤد نے حارث بن وجیہ، صدقہ دقیقی، عثمان بن واقد، عمری، محمد بن عبدالرحمن البلیمانی، ابو جناب کلبی، سلیمان بن ارقم، اسحاق بن عبد

اللہ بن ابی فروہ وغیرہ جیسے متروک اور ضعیف راویوں کی روایات پر سکوت کیا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں منقطع، مدلسین اور مبہم راویوں کی روایات بھی ہیں، اس پر مفصل بحث کرنے کے بعد بالآخر فرمایا ہے کہ درست یہ ہے کہ ان کے صرف سکوت پر اعتما د نہیں ہے، اس لیے کہ ہم نے ذکر کیا کہ وہ ضعیف احادیث سے استدلال کرتے ہیں اور انھیں قیاس پر مقدم جانتے ہیں <sup>1</sup> اس پر سیر حاصل بحث کے لیے دیکھیے ہمارے استاد محترم محدث العصر ارشاد الحق اثری

حفظ اللہ کی کتاب 2

قاعدہ نمبر: ۹ امام نسائی کا سکوت؟

امام نسائی کا سنن صغریٰ میں کسی حدیث پر سکوت اختیار کرنا دلیل نہیں کہ امام نسائی کے نزدیک وہ حدیث صحیح ہے!!

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: ”انہ غیر مسلم فانہ فیہ رجلا لا مجہولین اما عینا أوحالا، و فیہم المجرور و فیہ أحادیث ضعیفة معللة ومنكرة“ یہ بات مسلم نہیں (کہ سنن نسائی کی احادیث سکوت پر مبنی صحیح ہیں) کیونکہ اس میں مجہول العین یا مجہول الحال اور مجروح راوی ہیں اور اس میں ضعیف، معلول اور منکر احادیث ہیں۔ <sup>3</sup>

حافظ ابن کثیر سے پہلے حافظ ابن الصلاح نے بھی سنن النسائی کے متعلق یہاں تک کہا ہے ”هذا عجیب اذ یر وی ویقول: متروک“ یہ عجیب بات ہے کہ اس کی روایت ذکر کر

1 (النکت لابن حجر: ۴۴۳/۱)

2 (اعلاء السنن فی المیزان: ۵۲-۷۱)

3 (اختصار علوم الحديث: ۴۱)

1

تے ہیں اور اس کے باوجود اسے متروک کہتے ہیں 1

ثابت ہوا کہ کئی ایسے راوی بھی ہیں جن کو خود امام نسائی نے متروک اور ضعیف بھی کہا ہے لیکن ان کی روایات پر سکوت بھی کیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام نسائی کا کسی حدیث پر سکوت اختیار کرنے سے اس حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں 2

**دسواں قاعدہ: ثابت شدہ متداول کتب کا انکار کر دینا**

بعض اپنے غلط اصولوں کی پیروی میں محدثین کی کتب کا انکار کر دیتے ہیں مثلاً الععل الكبير للترمذی، انساب الاشراف، سوالات ابی عبید الآجری، وغیرہا۔ یہ ثابت شدہ کتب ہیں ان سے مصنفین کے دور سے لے کر آج تک مسلسل استفادہ کیا جا رہا ہے ان ثابت شدہ کتب سے انکار جہاں غلط منہج پر واضح دلیل ہے، وہاں ظلم عظیم بھی۔ تفصیل کا یہ محل نہیں بس اشارہ کافی ہے۔

**بعض محدثین کی خاص اصطلاحات: اگر امام ابن حبان کے ساتھ کوئی اور بھی توثیق کر دے تو؟**

وہ راوی ثقہ قرار پائے گا خواہ اس راوی کو امام ابن حبان کی توثیق کے ساتھ حافظ ذہبی یا حافظ ابن حجر ہی ثقہ کہہ دیں تو وہ راوی واقعہ ثقہ شمار ہوگا، کیونکہ اب امام ابن حبان اکیلے توثیق نہیں کر رہے بلکہ مزید کی تائید بھی حاصل ہے۔ تائید کرنے والا خواہ متقدمین سے ہو یا متاخرین سے۔

**جس راوی کو امام ابن حبان اکیلے ثقہ کہیں؟**

1 (میزان الاعتدال: ۵۹۸/۳)

2 (اعلاء السنن فی المیزان: ص ۷۱-۷۴)

توان کی توثیق تسلیم نہیں کی جاتی، کیونکہ یہ متساہل تھے۔ بغیر کسی دلیل کے مجہول راویوں کو بھی ثقہ کہہ دیتے ہیں۔

## امام بخاری اور التاریخ الکبیر:

امام بخاری کا تاریخ کبیر میں اپنا خاص منہج ہے جس کو سمجھنا نہایت ضروری ہے، تاکہ التاریخ الکبیر پڑھتے وقت کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔

علامہ معلّیٰ یمانی فرماتے ہیں: امام بخاری کا التاریخ الکبیر میں کسی حدیث کو بیان کرنا اسے کچھ فائدہ نہیں دیتا، بلکہ اس کو نقصان پہنچاتا ہے کیونکہ امام صاحب التاریخ میں حدیث اس لئے ذکر کرتے ہیں کہ وہ اس کے راوی (صاحب ترجمہ) کی کمزوری پر دلالت کرے۔<sup>1</sup>

”فیہ نظر“: جس راوی کے متعلق امام بخاری ”فیہ نظر“ کہیں، اس سے مراد ہے کہ وہ راوی پر جرح کر رہے ہیں۔ بعض دفعہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر بھی ”فیہ نظر“ لکھ دیتے ہیں تو اس سے مراد صحابی پر جرح نہیں بلکہ اس سے مروی روایت پر جرح مقصود ہے۔ نیز دیکھیں: <sup>2</sup>

”منکر الحدیث“: یہ سخت جرح ہے، امام بخاری کے نزدیک اس طرح کے راوی سے روایت لینا حلال نہیں۔

## امام بخاری کا ”التاریخ الکبیر“ میں کسی راوی پر سکوت:

امام بخاری اپنی کتاب ”التاریخ الکبیر“ میں جس راوی پر خاموشی اختیار کریں، اس

1 (تعليق الفوائد المجموعة للمعلمي: ص ۱۸۰ تحت ح ۶۱)

2 (حاشیہ الرفع والتكميل: ص ۳۹۲)



پر بحث و تحقیق دیگر محدثین کے اقوال کی روشنی سے کریں گے نہ کہ امام بخاری کے خاموش رہنے کی وجہ سے اس راوی کے ثقہ یا ضعیف ہونے پر استدلال کیا جائے گا، جس طرح فرقی باطلہ کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ راوی ہی اس قدر جلیل القدر تھا کہ اس کے مقام کی وجہ سے اس پر خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا، کسی نے کہا کہ جس پر امام بخاری خاموشی اختیار کریں وہ راوی ان کے نزدیک ثقہ ہے وغیرہ، یہ باتیں باطل و مردود ہیں۔

شیخ العرب والعجم امام بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ اس پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس اصول کے بطلان کے لیے یہی کافی ہے کہ خود امام بخاری نے تاریخ میں متعدد ایسے راویوں پر سکوت کیا ہے جن پر انھوں نے اپنی دوسری کتابوں میں جرح کی ہے، مثلاً تاریخ میں انھوں نے حسب ذیل افراد کا ذکر کیا ہے: ”الحارث بن نعمان البشی، اصلت بن مہران التیمی، الکوفی ابو ہاشم، عبد اللہ بن معاویہ، الزبیر بن عوام الاسدی البصری، عبد اللہ بن محمد بن عجلان مولیٰ فاطمة بنت عتبة القرشی، عبد الرحمن بن زیاد بن انعم افریقی، عبد الوہاب بن عطاء الخفاف، عمران العمی، عاصم بن عید اللہ العمری، معاویہ الثقفی، ابو عبد الرحمن بصری، مختار بن نافع ابو اسحاق التیمی، نصر بن حماد بن عجلان، یحییٰ بن ابی سلیمان المدنی، یحییٰ بن محمد الجاری، ان کے بارے میں انھوں نے کوئی کلام نہیں کیا نہ جرح کی، مگر ان کو الضعفاء میں ذکر کیا اور ان پر جرح کی“ 1

اس بحث پر ایک مفصل رسالہ (رواة الحديث الذين سكت عليهم ائمة الجرح والتعديل بين الوثيق والتجهيل. از شیخ عداب محمود) ہے تفصیل کا ط

اس کتاب کی طرف رجوع کرے۔

## امام ترمذی کی تصحیح یا تحسین حدیث کا اعتبار نہیں:

کیونکہ امام ترمذی متساہل تھے اور کمزور حدیث کو تصحیح یا حسن کہہ دیتے تھے، مثلاً ایک روایت جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات ایک قبر میں داخل ہوئے، چراغ کو جلا یا گیا تو میت کو قبلہ کی طرف سے لے کر قبر میں اتارا گیا (سنن الترمذی: ۱۰۵۷) اس کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ زیلیعی حنفی لکھتے ہیں ”اس کو حسن کہنے پر امام ترمذی کا انکار کیا گیا ہے کیونکہ اس میں حجاج بن ارقطہ مدلس ہے اور ابن قطان نے کہا ہے کہ اس میں منہال بن خلیفہ ہے جس کو امام ابن معین نے ضعیف اور امام بخاری نے فیہ نظر کہا ہے۔“<sup>1</sup>

حافظ ذہبی فرماتے ہیں: تین راویوں کے ضعیف ہونے کے باوجود اس روایت کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے، لہذا ترمذی کی تحسین سے دھوکا نہ کھاؤ، تحقیق پران کی غالب حسن، ضعیف ہیں۔<sup>2</sup>

حافظ ذہبی ایک راوی پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: سیف بن محمد الثوری کذاب ہے۔ تعجب ہے کہ ترمذی اس کی حدیث کو حسن کہتے ہیں۔ (الکاشف: ۳۶۸/۱) بلکہ یہاں تک کہ ایک راوی کو خود ایک جگہ ضعیف کہہ رہے ہیں اور دوسری جگہ اس ضعیف راوی کی روایت کو خود حسن بھی کہہ دیتے ہیں مثلاً ایک روایت (۳۲۹۴) کو حسن غریب کہا پھر خود ہی دوسری جگہ

1 (نصب الراية: ۳۰۰/۲)

2 (میزان الاعتدال: ۴۱۶/۴)

(۲۵۴۸، ۲۹۳۰) میں کہا کہ اس میں رشدین ضعیف راوی ہے۔

فائدہ: دکتور خالد بن منصور الدریس حفظہ اللہ نے ”الحديث الحسن لذاته ولغيره“ کی جلد ثالث میں امام ترمذی کی تحسین پر تفصیلی نقد کیا ہے۔

### رواة محدثین کی تاریخ وفات کا علم ہونا!

تخریج کے دوران میں راویوں اور محدثین کی تاریخ وفات کا علم ہونا بہت ضروری ہے، اس سے بہت سے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔

بعض رواۃ کی تاریخ وفات حسب ذیل ہیں:

الشعبي: ۱۰۳۔ ابن سيرين: ۱۱۰۔ حسن بصری: ۱۱۰۔ همام بن منبه: ۱۳۲۔ ابو حنيفه: ۱۵۰۔ معمر: ۱۵۴۔ اوزاعي: ۱۵۷۔ شعبه: ۱۶۰۔ ثوري: ۱۶۱۔ ابن طهمان: ۱۶۳۔ ليث بن سعد: ۱۷۵۔ مالک: ۱۷۹۔ ابن المبارك: ۱۸۱۔ هيثم: ۱۸۳۔ ابو يوسف: ۸۳۔ علي بن زياد: ۸۳، معافي بن عمران: ۳۶۰ھ

علوم حدیث و فن جرح و تعدیل پر اہم کتب لشیخنا المحدث ارشاد الحق

الأثری حفظہ اللہ

ہمارے استاد محترم محدث ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کی تمام کتب علوم حدیث اور قواعد جرح و تعدیل سے بھری ہے، اس کی اہم بحوث کی فہرست پیش خدمت ہے تاکہ اس سے استفادہ آسان ہو سکے۔ باذوق طالب علم شیخ محترم کی کتب میں سے توضیح الکلام، اعلاء السنن فی المیزان، مقالات جلد ۲، اسباب اختلاف الفقہاء، تنقیح الکلام، اسلام اور موسیقی، مشاجرات

صحابہ، مسلک احناف اور مولانا عبدالحی لکھنوی، امام بخاری پر بعض اعتراضات کا جائزہ، احادیث بخاری و مسلم میں پرویزی تشکیک کا علمی محاسبہ، آئینہ ان کو دکھایا تو برامان گئے، مولانا سرفراز صفدر اپنی تصانیف کے آئینے میں، احادیث ہدایہ فنی و تحقیقی حیثیت، کتابت حدیث تا عہد تابعین، موضوع حدیث اور اس کے مراجع، النسخ و المنسوخ، عدالت صحابہ، امام دارقطنی، صحائے ستہ اور ان کے مؤلفین، وغیرہ کی طرف رجوع کرے۔

### اعلاء السنن فی المیزان میں علوم حدیث کی فہرست:

۳۵	مسند امام احمد کی روایات مقبول ہیں؟
۳۹	مسند ابی عوانہ کی حدیث
۴۳	امام ترمذی کی تحسین
۴۸	حدیث سے مجتہد کا استدلال
۵۲	امام ابوداؤد کا سکوت
۶۲	ایک عجیب غفلت
۶۷	دلچسپ تضاد
۷۱	امام نسائی کا سکوت
۷۴	فتح الباری میں حافظ ابن حجر کا سکوت
۸۱	التلخیص میں حافظ کا سکوت
۸۷	الدرایہ اور سکوت ابن حجر
۸۹	امام حاکم اور علامہ ذہبی کا سکوت

- ۹۵ علامہ عراقی کا سکوت، عجیب تضاد فکری
- ۹۶ امام ابوحنیفہ کے سب شیوخ ثقہ ہیں؟
- ۹۸ امام صاحب کے چند اساتذہ
- ۹۸ ابان بن ابی عیاش
- ۱۰۶ نصر بن طریف
- ۱۰۸ جراح بن منہال
- ۱۰۷ محمد بن سائب کلبی
- ۱۰۹ محمد بن زبیر بصری
- ۱۰۹ طریف بن شہاب
- ۱۱۷ عمرو بن عبید ایک اور استاد
- ۱۲۵ قاضی ابو یوسف کے اساتذہ
- ۱۲۸ امام محمد شیبانی کے اساتذہ اور ان کا استدلال
- ۱۳۷ امام شعبہ کے شیوخ
- ۱۴۱ امام سفیان ثوری کے شیوخ
- ۱۴۲ امام طحاوی کا استدلال
- ۱۴۹ علامہ المنذری عن سے روایت کریں تو وہ حسن ہوگی؟
- ۱۵۸ الترغیب میں عن سے دوسرا مقام
- ۱۶۸ الترغیب میں عن کی تیسری مثال
- ۱۶۹ چوتھی مثال

۱۷۰	امام ابن حزم کا استدلال
۱۸۴	علامہ پیشی کا سکوت
۱۹۲	علامہ سیوطی کی تحسین
۱۹۵	احادیث المختارة
۲۰۸	کنز العمال میں سکوت
۲۳۴	مختلف فیہ حدیث اور راوی
۲۴۳	مختلف فیہ کی دوسری مثال
۲۴۴	تیسری مثال
۲۴۵	چوتھی مثال
۲۴۶	پانچویں مثال
۲۶۱	مختلف فیہ کی چھٹی مثال
۲۶۳	ساتویں مثال
۲۷۵	آٹھویں مثال
۲۷۵	نویں مثال
۲۸۳	مدرس بھی مختلف فیہ ہے
۲۸۶	مختلف فیہ کی ایک اور مثال
۲۸۸	مختلف فیہ کا اصول اور امام زہری کی مراہیل
۲۹۵	امام ابن حبان کی توثیق کا حکم
۲۹۷	امام ابن حبان اور امام ابو حنیفہ

- ثقفی کی زیادت ۳۰۶
- مستور راوی کی حدیث مقبول ۳۱۰
- خیر القرون کے مستور و مجہول راوی اور امام ابو حنیفہ ۳۱۴
- تدلیس و ارسال عیب نہیں ۳۱۵
- الولید بن مسلم ۳۱۸
- ضعیف، متروک اور کذاب راویوں کا دفاع ۳۱۹
- جابر بن یزید الجعفی ۳۱۹
- حجاج بن ارطاة ۳۲۳
- محمد بن عبید اللہ ۳۲۵
- سلیمان بن داود شاذ کوئی ۳۳۰
- نضر بن عبد الرحمن الخزاز ۳۳۴
- خارجہ بن مصعب ۳۳۷
- حمید بن ابی جون اور موضوع روایت ۳۳۹
- محمد بن حمید الرازی ۳۴۰
- عبد الرحمن بن اسحاق الواسطی ۳۴۲
- نوح بن ابی مریم ۳۴۶
- لیث بن ابی سلیم ۳۵۰
- بقیہ بن ولید ۳۲۵
- حسن بن زیاد اللؤلؤی ۳۵۴

- ۳۵۸ ابواسحاق السبعی
- ۳۵۹ ایک لطیفہ
- ۳۶۱ سلیمان بن عمر والجفی
- ۳۶۴ محمد بن شجاع النجی
- ۳۶۶ محمد بن اسحاق امام المغازی
- ۳۶۹ مروان بن سالم
- ۳۷۰ چند اصولی مباحث
- ۳۷۰ ۱: ثقہ، مختلط سے روایت نہیں کرتا
- ۳۷۱ ۲: ”علی یدی“ عدل کا مفہوم
- ۳۷۴ ۳: مستور راوی یا مجہول
- ۳۷۴ مجہول کو مستور بنا کر کام نکال لیا
- ۳۷۵ ۴: مقبول کی اصطلاح
- ۳۷۶ بعض دیگر مباحث
- ۳۹۴ بعض کتابوں کا غلط انتساب
- ۳۹۹ ضعیف سے استدلال کا مفہوم
- ۴۰۲ بے اصل روایت کا سہارا
- ۴۰۴ ”ربما و ہم“ کا مفہوم
- ۴۰۷ ”اسناد صحیح“ کی حقیقت
- ۴۰۸ راوی کی تعیین میں سہو



- ۴۱۲ وجوب کا اطلاق
- ۴۱۵ موضوع حدیث کا دفاع
- ۴۱۹ مسلک کی تائید اور بے سند روایت
- مقالات شیخنا المحدثات ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ
- جلد (۱) سے علوم حدیث کی فہرست
- ۹۸ کیا ائمہ اربعہ کا اجماع حجت ہے؟
- ۱۰۶ تعامل سلف کی حیثیت
- ۱۰۶ کیا صحیحین کی روایت مقدم ہے؟
- ۱۱۰ فقہاء کے مابین اختلاف کی نوعیت
- ۲۰۵ صحیح مسلم کی حدیث اور علامہ کوثری
- ۲۱۸ علامہ ابن حزم اور الحمدیث
- ۲۴۳ موضوع روایات سے استدلال
- ۲۳۸ اصول فقہ حنفی کی ایک روایت پر بحث
- ۲۳۸ کیا صرف ایک صحابی سے مروی روایت قابل اعتبار نہیں؟
- ۲۳۹ ذہول اور نسیان قاصر صحت نہیں
- ۲۸۵ تحت السرة کی حیثیت
- ۲۹۶ واقعہ معراج سے متعلق ایک روایت کی حیثیت
- ۲۹۶ عُلَمَاءُ اُمَّتِي كَا نَبِيَاءِ بَنِي اِسْرَائِيلَ

## مقالات لشیخنا المحدث ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

### جلد ۲ سے علوم حدیث کی فہرست

- ۴۱ ضعیف حدیث کا فائدہ
- ۲۷۴ صحیحین میں مدلسین کی روایت اور حدیث مستہ
- ۲۷۷ علامہ ذہبی رحمہ اللہ اور مسلم میں مدلس کی مععن روایت
- ۲۲۵ علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ اور ضعیف حدیث
- ۲۶۵ سلیمان بن الحسن العطار کی حدیث ضعیف نہیں حسن ہے
- ۲۶۹ دوسرے اعتراض کا جائزہ کہ فضیل النمیری ضعیف ہے
- ۲۵۴ کیا وضو کے بعد شرم گاہ پر چھینٹے لگانے کی حدیث ضعیف ہے؟
- ۱۷۳ عباد بن کثیر الرملی اور اثنقی میں اشتباہ
- ۱۶۶ میزان الاعتدال میں ایک غلطی
- ۱۶۲ ارواء الغلیل میں غلطی
- ۱۲۱ تخریج احادیث کشف المحجوب پر تبصرہ
- ۱۰۹ کسی سنت کا ترک نفی کی دلیل نہیں
- ۷۴ مسند امام زید کی استنادی حیثیت
- ۳۸ حافظ ابن حجر کا سکوت
- ۱۴ کیا سفر میں پوری نماز پڑھی جاسکتی ہے؟

چوتھا باب

حدیث حسن لغیرہ

کی حجیت کے متعلق اشکالات اور ان کے جوابات

## حدیث حسن لغیرہ کی حجیت کے متعلق اشکالات اور ان کے جوابات

نظر ثانی: مفتی عبدالولی خان حفظہ اللہ

مفتی عبدالولی خان حفظہ اللہ نے لکھا: ”میں نے محترم ابن بشیر الحسیبی حفظہ اللہ کا یہ مضمون پڑھا، ماشاء اللہ بہت تسلی اور قابل اعتماد ہے۔ اللہ تعالیٰ مزید احقاقِ حق کی توفیق دے۔“

جب کوئی شخص ایک مفروضہ بنا لیتا ہے تو پھر اس کو ثابت کرنے کے لئے اپنی پوری کوشش کرتا ہے، عجیب و غریب اور بے بنیاد باتوں کا سہارا لینا اس کی مجبوری ہوتی ہے، کیونکہ وہ اپنے تئیں ان چیزوں کو صحیح سمجھتا ہے، اسی لئے ان کو بے دھڑک ہو کر پیش کرتا ہے حالانکہ وہ کشیدگی ہوئی باتیں انتہائی کمزور ہوتی ہیں تحقیق کے میدان میں ان کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ ہم اپنے اس مقالے میں انھیں کمزور اشکالات و بے بنیاد باتوں کا علمی رد پیش کر رہے ہیں، صرف اصلاح مقصود ہے تاکہ غلطی میں مبتلا شخص کی اصلاح ہو سکے اور قارئین بھی ان کمزور شبہات و اشکالات سے واقفیت حاصل کر سکیں۔

حسن لغیرہ:

تعریف

۱

اس کی جامع تعریف یہ ہے: ”اعتضاد رواية ضعيفة قابلة للاحتمال ورجوایة

ضعيفة أخرى فأكثرها قابلة للاحتمال أيضاً“ ایسی ضعیف حدیث جو تقویت حاصل کرنے

کے قابل ہو، ایسی ضعیف حدیث یا احادیث سے تقویت حاصل کر لے جو تقویت دینے کے لائق

ہو۔ 1

اس میں ایک حدیث کی متعدد سندیں ہوتی ہیں اور ان کا ضعف شدید نہیں ہوتا، اس وجہ سے وہ حسن لغیرہ کے درجے تک پہنچ جاتی ہیں۔ اگر ضعف شدید ہے تو وہ حسن لغیرہ کے درجے تک نہیں پہنچتی۔ یہ بات اچھی طرح جالینی چاہیے کہ ائمہ محدثین کا یہی موقف ہے کہ حسن لغیرہ حجت ہے۔، ضعف خفیف اور ضعف شدید کے فرق کا لحاظ رکھنا انتہائی ضروری ہے۔

2 ضعیف روایت کثرت طرق کی وجہ سے اس وقت بھی حسن لغیرہ نہیں بنتی جب وہ اپنے سے اولی (مضبوط) کے مخالف ہو۔ مثلاً نماز میں رفع الیدین کرنے کی احادیث حد تو اترا تک جا پہنچی ہیں، جن میں صحیحین کی روایات بھی ہیں، جبکہ ترک رفع الیدین کی روایات اثبات رفع الیدین کی احادیث کے مقابلے میں انتہائی کمزور بلکہ ساقط الاعتبار ہیں۔

تو حد تو اترا پر پہنچنے والی اعلیٰ درجے کی صحیح احادیث کے خلاف ضعیف اور ساقط الاعتبار روایات کو اپنے کثرت طرق کی بنا پر حسن لغیرہ قرار دینا ظلم عظیم ہے۔

3 شاذ، شاذ سے مل کر حسن لغیرہ نہیں بنتی۔ جب ایک روایت شاذ ہے اور اس کی سندیں بھی زیادہ ہیں تو وہ شاذ ہی رہے گی، کثرت طرق کی وجہ سے حسن لغیرہ نہیں بن سکتی۔ امام ترمذی نے حسن کی تعریف میں یہ شرط لگائی ہے کہ وہ شاذ نہ ہو (العلل الصغیر للترمذی ص: ۸۹۸) محدث البانی فرماتے ہیں: یہ ثابت ہو گیا کہ شاذ اور منکر حدیث کی ان مردود اقسام میں سے ہیں، جو کسی شمار میں

نہیں، اس لیے اسے بطور شاہد پیش نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس کا وجود اور عدم وجود دونوں برابر ہیں۔ 2

1 (الحدیث الحسن لذاتہ ولغیرہ للذکور خالداً بن منصور الدریس: ۲۰۸۸/۵)

2 (صلاة التراویح للألبانی ص: ۶۶)

حافظ محمد محدث گوندلوی لکھتے ہیں: ”شاذ سے شاذ کو تقویت نہیں پہنچتی۔“ (تیسرا کلام ص: ۴۱۸) اسکی مثال ”اذا قرأ فأنصتوا“ ہے۔

محترم حافظ خبیب احمد الاثری لکھتے ہیں: حسن لغیرہ کے بارے میں بعض لوگ انتہائی غیر محتاط رویہ اپناتے ہیں، ان کے نزدیک ضعیف حدیث + ضعیف حدیث کی مطلق طور پر کوئی حیثیت نہیں، خواہ اس حدیث کے ضعف کا احتمال بھی رفع ہو جائے۔ بزعم خویش حدیث کے بارے میں ان کی معلومات امام ترمذی، حافظ بیہقی، حافظ عراقی، حافظ ابن حجر وغیرہ سے زیادہ ہیں۔ حالانکہ یہ بجاہتاً معلوم ہے کہ جس طرح رواۃ کی ثقاہت کے مختلف طبقات ہیں، اسی طرح ان کے ضعف کے بھی مختلف درجات ہیں۔ کسی راوی کو نسیان کا مرض لاحق ہے تو کسی پر دروغ بانی کا الزام ہے، بعض کے بارے میں محدثین کا فیصلہ ہے: ”يُعْتَبَرُ بِهِمْ“، ”يُكْتَبُ حَدِيثُهُمْ“۔ جبکہ بعض کے بارے میں ”لَا يُعْتَبَرُ بِهِمْ“، ”لَا يُكْتَبُ حَدِيثُهُمْ“ ہے۔

حسن لغیرہ کا مطلق طور پر انکار کرنے والے جس انداز سے متاخرین محدثین کی کاوشوں کو رائیگاں قرار دینے کی سعی نامشکور کرتے ہیں، اسی طرح متقدمین جہابذہ فن کے راویان کی طبقہ بندی کی بھی ناقدری کرتے ہیں اور بایں ہمہ وہ فرامین نبویہ کی خدمت میں مصروف ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَيْہِ راجعون۔ 1

پہلا اشکال: بعض لوگ ضعیف + ضعیف کے اصول اور جمع تفریق کے ذریعے سے بعض روایات کو حسن لغیرہ قرار دیتے ہیں۔

جواب:

حسن لغیرہ کو ماننے والے جمہور علماء ہیں نہ کہ بعض لوگ، چنانچہ ذیل میں ہم ان علماء و محدثین کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

1 امام ترمذی

امام ترمذی کے علاوہ عام محدثین سے ایسی حسن لغیرہ روایت کا حجت ہونا ثابت نہیں۔

(علمی مقالات 300 / 1)

معلوم ہوا کہ امام ترمذی حسن لغیرہ کو حجت سمجھتے ہیں۔ والحمد للہ

(معرفہ السنن والآثار 348 / 1، نصب الراية 93 / 1)

امام بیہقی

2

(اربعین نووی حدیث نمبر 32)

نووی

3

(مقدمة علوم الحديث صفحہ 37)

ابن الصلاح

4

(النکت علی ابن الصلاح لابن حجر: صفحہ 126،

امام ابن قطان

5

طبع دار الکتب العلمیہ بیروت)

(جامع العلوم والحکم صفحہ 300)

ابن رجب حنبلی

6

(مجموع الفتاوی 251 / 1)

ابن تیمیہ

7

(جلاء الافہام صفحہ 199)

ابن قیم

8

- |                                       |  |    |
|---------------------------------------|--|----|
| (فتح الباری 188 / 3)                  | حافظ ابن حجر عسقلانی                   | 9  |
| (اختصار علوم الحدیث صفحہ 49، 50)      | ابن کثیر                               | 10 |
| (فتح المغیث)                          | حافظ سخاوی                             | 11 |
| (تدریب الراوی 160 / 1)                | سیوطی                                  | 12 |
| (شرح الجامع الصغیر 982، 137)          | علامہ مناوی                            | 13 |
| (شرح الزرقانی 68 / 1)                 | زرقانی                                 | 14 |
| (عون المعبود 291 / 9)                 | شمس الحق عظیم آبادی                    | 15 |
| (مقدمۃ تحفۃ الأحوذی 152)              | عبد الرحمن مبارکپوری                   | 16 |
| (مرعاة 2: صفحہ 511)                   | عبید اللہ مبارکپوری۔                   | 17 |
| (توجیہ النظر 506)                     | طاہر الجزائری                          | 18 |
|                                       | امام ناصر الدین البانی۔                | 19 |
| (قواعد التحديث صفحہ 66)               | جمال الدین قاسمی                       | 20 |
| (الموازنہ صفحہ 49)                    | دکٹر حمزہ ملیباری                      | 21 |
|                                       | محدث کبیر استاذ محترم ارشاد الحق اثری۔ | 22 |
| (ضعیف احادیث کی شرعی حیثیت صفحہ 192)  | غازی عزیز مبارکپوری                    | 23 |
| (کشف المخبوء صفحہ 23)                 | امام العصر علامہ ابواسحاق الحونینی     | 24 |
| (آراء المحدثین فی الحسن لذاتہ ولغیرہ) | الدکٹر خالد بن منصور الدریس            | 25 |
| (شرح سنن ابی داود 15/13، 49، 3/345)   | محدث حجاز عبد المحسن العباد            | 26 |



علاوہ ازیں سفیان بن عیینہ، شافعی، یحییٰ بن سعید قطان، محمد بن یحییٰ ذہلی، بخاری، ترمذی، دارقطنی، ابن ترکمانی، علائی، ذہبی، عراقی سے بھی حسن لغیرہ کا حجت ہونا ثابت ہے۔ ان اقوال کی تفصیل کا طالب شیخ ابن ابی العیین کی کتاب ”القول الحسن“ کا مطالعہ کرے۔

جو علماء و محدثین حسن لغیرہ کو قابل عمل و احتجاج سمجھتے ہیں، ان کے ناموں کا ذکر کرنے کا مقصود صرف یہ تھا کہ جو کہے کہ ”بعض لوگ ضعیف + ضعیف کے اصول اور جمع تفریق کے ذریعے سے بعض روایات کو حسن لغیرہ قرار دیتے ہیں“ یہ باطل بات ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ حسن لغیرہ ائمہ و علماء کے نزدیک حجت ہے و الحمد للہ

**دوسرا اشکال:** لیکن حافظ ابن حزم اس اصول کے سخت خلاف تھے بلکہ زرکشی نے ابن حزم سے نقل کیا ہے: ”ولو بلغت طرق الضعیف ألفاً لا یقوی.“ اور اگر ضعیف حدیث کی ہزار سندیں بھی ہوں تو اس سے روایت قوی نہیں ہوتی۔ اگرچہ زرکشی نے اسے شاذ اور مردود کہا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ یہی قول رائج اور صحیح ہے۔

یہ قول محمد احمد نے بھی اپنی کتاب ”الحدیث الحسن بین الحد و الحجة“ میں بطور دلیل پیش کیا ہے۔

جواب:

یہ قول بے سند ہے

1

امام زرکشی نے اس قول کو شاذ و مردود کہا ہے

2

امام ابن حزم کے قول کی تردید کے لیے امام زرکشی کی عبارت ہی کافی ہے۔

**تیسرا اشکال:** حسن لغیرہ کے مسئلے پر عمرو بن عبد المنعم بن سلیم کی کتاب

”الحسن بمجموع الطرق فی میزان الاحتجاج بین المتقدمین والمتأخرین“ بہت مفید ہے۔

جواب: قارئین سے گزارش ہے کہ اس مسئلے پر راہ انصاف کو پانے کے لیے مندرجہ ذیل کتب بھی ملاحظہ فرمائیں، جن میں مذکورہ بالا کتاب اور اس مسئلے پر شبہات کا جائزہ لیا گیا ہے:

1 القول الحسن فی کشف شبہات حول الاحتجاج بالحديث الحسن مع تصویب الأئمة لصد عدوان المعترض علی الأئمة للشيخ ابن أبي العینین.

2 الرد علی کتاب الحسن بمجموع الطرق فی میزان الاحتجاج بین المتقدمین والمتأخرین للشيخ أبي المنذر المنيأوی.

3 الحديث الحسن لذاته ولغيره للدكتور خالد بن منصور الدريس.

4 مناهج المحدثین فی تقوية الأحادیث الحسنة والضعيفة للدكتور المرتضى زین أحمد.

5 مقاله حسن لغیره لمحمد خبيب أحمد الاثری 1

چوتھا اشکال: کیا ابن قطان کے نزدیک حسن لغیرہ حجت نہیں؟

حافظ ابن القطان الفاسی نے حسن لغیرہ کے بارے میں صراحت کی ہے کہ ”لایحتج بہ کله بل یعمل بہ فی فضائل الأعمال.“ اس ساری کے ساتھ حجت نہیں پکڑی جاتی، بلکہ فضائل اعمال میں اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ 2

حافظ ابن حجر نے اس قول کو حسن قوی یعنی اچھا مضبوط قرار دیا ہے۔

جواب:

1 پہلے امام ابن قطان کا مکمل قول ملاحظہ ہو:

”لا یحتج بہ کله، بل یعمل بہ فی فضائل الأعمال، ویوقوف عن العمل بہ فی الأحکام إلا إذا کثرت طرقہ أو عضدہ اتصال عمل أو موافقة شاهد صحیح أو ظاهر القرآن.“ 1

اس ساری کے ساتھ حجت نہیں پکڑی جاسکتی البتہ فضائل اعمال میں اس کے ساتھ عمل کیا جاسکتا ہے اور احکام میں اس کے ساتھ عمل میں توقف کیا جاتا ہے مگر جب اس کے طرق زیادہ ہوں یا اس کو مضبوط کرے کوئی متصل عمل، صحیح شاہد یا قرآن کے ظاہر کا اس کے ساتھ موافقت کرنا۔ امام ابن قطان تو کہہ رہے ہیں کہ اگر کثرت طرق ہوں تو عمل کیا جائے گا۔ انصاف شرط ہے کوئی بھی عالم دین اس مکمل قول کو پڑھے تو فوراً سمجھ جائے گا کہ امام ابن قطان تو حسن لغیرہ کا حجت ہونا ثابت کر رہے ہیں اور ابن حجر نے بھی جو اس قول کو اچھا اور قوی قرار دیا ہے تو انھوں نے بھی حسن لغیرہ کا حجت ہونا مراد لیا ہے۔

2 کئی علماء نے ابن قطان کی عبارت کو حسن لغیرہ کی حجیت میں ذکر کیا ہے۔ مثلاً امام سخاوی (فتح المغیث، ص 49) طاہر الجزائری (توجیہ النظر صفحہ 506) جمال الدین قاسمی (قواعد التحدیث صفحہ 66) و دکتور حمزہ ملیباری (الموازنہ، صفحہ 49) علامہ ابواسحاق الحوینی (کشف المنجوب، صفحہ 23) غازی عزیز مبارکپوری (ضعیف احادیث کی شرعی حیثیت صفحہ 193) لیکن عجیب بات ہے کہ بعض لوگ امام ابن قطان کا مکمل قول نقل کرنے کی بجائے اسے آدھا نقل فرما

کر اس سے اپنا مطلب کشید کر رہے ہیں !!

**پانچواں اشکال:** حافظ ابن حجر کے نزدیک حسن لغیرہ حجت نہیں۔

**جواب:** حافظ ابن حجر کی کتب کا مطالعہ کرنے والا طالب علم بھی اس بات کی شہادت دے گا کہ حافظ ابن حجر حسن لغیرہ کو حجت سمجھتے ہیں۔

حافظ ابن حجر ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ جب سیئ الحفظ کی کسی ایسے قابل اعتبار راوی سے تائید ہو رہی ہو کہ وہ اس راوی سے بڑھ کر ہو یا کم از کم اس جیسا ہو اس سے کم تر نہ ہو تو ان کی حدیث حسن ہو جائے گی، مگر حسن لزاماً نہیں ہوگی، بلکہ اس کا حسن بننا متابع کے مجموعے سے ہوگا۔ <sup>1</sup>

**چھٹا اشکال:** کیا حافظ ابن کثیرؒ کے نزدیک حسن لغیرہ حجت نہیں؟

حافظ ابن کثیر نے فرمایا: مناظرے میں یہ کافی ہے کہ مخالف کی بیان کردہ سند کا ضعیف ہونا ثابت کر دیا جائے، وہ لا جواب ہو جائے گا کیونکہ اصل یہ ہے کہ دوسری تمام روایات معدوم ہیں الا کہ دوسری سند سے ثابت ہو جائیں۔ <sup>2</sup> **جواب:**

<sup>1</sup> حافظ ابن کثیر کے اس قول کا حسن لغیرہ کی حجیت اور عدم حجیت سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ ہر شخص آسانی اصل کتاب کی طرف مراجعت کرنے کے بعد معلوم کر سکتا ہے۔

<sup>2</sup> حافظ ابن کثیر (اختصار علوم الحدیث: صفحہ 49، 50) میں نقل کرتے ہیں:

ومنہ ضعف یزول بالمتابعة، كما إذا كان راویه سیئ الحفظ، أو روى الحديث

<sup>1</sup> (النزهة، ص 48، النکت ص 139)

<sup>2</sup> (اختصار علوم الحدیث 1/274، 275: نوع 22)

مرسلًا، فإن المتابعة تنفع حينئذٍ، و يرفع الحديث في حيز الضعف إلى أوج الحسن أو الصحة. والله أعلم

بعض ضعف متابعت سے زائل ہو جاتا ہے، جیسا کہ راوی سیئہ الحفظ (برے حافظے والا) ہو یا حدیث مرسل ہو تو اس وقت متابعت فائدہ دیتی ہے اور حدیث ضعف کی گہرائیوں سے بلند ہو کر حسن یا صحیح کے درجے کو پہنچ جاتی ہے۔<sup>1</sup>

معلوم ہوا کہ ابن کثیر تو ابن الصلاح کے اس قول کو حسن لغیرہ کی حجیت میں نقل کر رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابن کثیر کا اپنا موقف بھی یہی ہے کہ حسن لغیرہ حجت ہے۔

**ساتواں اشکال:** بسا اوقات کسی ضعیف حدیث کی متعدد سندیں ہوتی ہیں یا اس کے ضعیف شواہد موجود ہوتے ہیں، مگر اس کے باوجود محدثین اسے حسن لغیرہ کے درجے میں نہیں لاتے۔  
جواب: حسن لغیرہ کی عدم حجیت کے بارے میں سب سے بڑی دلیل یہی ہے اور اسی سے وہ لوگوں کو مغالطہ دیتے ہیں۔

کثرت طرق کے باوجود حدیث کو مقبول نہ ماننے کی وجوہات کا بیان۔

**عدم تقویت کے اسباب:**

ایسی حدیث کے حسن لغیرہ نہ ہونے میں پہلا سبب یہ ہے کہ ناقد سمجھتا ہے کہ اس حدیث کو بیان کرنے میں شاید حدیث کے کسی راوی نے غلطی کی ہے، لہذا غلط متابع یا غلط شاہد ضعف کے احتمال کو رفع نہیں کر سکتے۔ اسے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک حدیث کی دو سندیں ہیں، اس کی ایک سند کے راوی کے بارے میں راجح یہ ہے کہ اس نے سند یا متن میں غلطی کی ہے، یعنی وہ دوسروں کی

مخالفت کرتا ہے، یا اس سے بیان کرتے ہوئے راویان مضطرب ہیں تو ایسی سند دوسری سند سے مل کر تقویت حاصل نہیں کر سکتی۔ اسے تطبیقی انداز میں یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ امام حاکم نے سفیان بن حسین عن الزہری کی ایک مرفوع حدیث بیان کی ہے، پھر اس کا مرسل شاہد (ابن المبارک عن الزہری) ذکر کیا، اس مرفوع حدیث میں جس ضعف کا شبہ تھا، اسے مرسل حدیث سے دور کرنے کی کوشش کی۔ (المستدرک 392/1) مگر حافظ ابن حجر اس مرفوع حدیث کو اس مرسل روایت سے تقویت دینے کے قائل نہیں کیونکہ سفیان بن حسین، امام زہری سے بیان کرنے میں متکلم فیہ ہے، بنا بریں اس نے یہ روایت امام ابن المبارک کے برعکس مرفوع بیان کی ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ”بل هو علته۔“ 1

کہ ابن المبارک کا اس حدیث کو زہری سے مرسل بیان کرنا سفیان کی غلطی کی دلیل ہے، لہذا یہ روایت مرسل ہی رائج ہے اور وہ مرفوع کو تقویت نہیں دیتی، کیونکہ اس کا مرفوع بیان کرنا غلط ہے۔ ذرا غور کیجیے! امام حاکم ایک حدیث کو متاخرین کی اصطلاح کے مطابق حسن لغیرہ قرار دے رہے ہیں، اسی حدیث کو حافظ ابن حجر مرسل ہونے کی بنا پر ضعیف قرار دے رہے ہیں، کیونکہ حافظ صاحب کے نزدیک مرفوع بیان کرنا غلطی ہے، جس کی وجہ مرسل روایت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ محدثین کسی حدیث کو حسن لغیرہ قرار دینے کے لیے قرآن کو پیش نظر رکھتے ہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے بھی تغلیق التعلیق میں ذکر کیا ہے، ضعیف + ضعیف کو مطلق طور پر حسن لغیرہ قرار دینا محدثین کا منہج نہیں ہے۔

بسا اوقات کوئی محدث کسی حدیث کو تقویت دینے میں وہم کا شکار ہو جاتا ہے جو استثنائی صورت ہے، اس سے حسن لغیرہ کے حجت ہونے میں قطعی طور پر زہد نہیں پڑتی، کسی حدیث کے حسن

غیر ہونے یا نہ ہونے میں محدثین کا اختلاف ہوتا ہے، حقائق بھی اس کے مؤید ہیں، مگر ان سب کے باوجود محدثین حسن لغیرہ کی حجیت کے قائل ہیں۔

کسی حدیث کو حسن لغیرہ قرار دینا ایک اجتہادی امر ہے، جس میں صواب اور غلط دونوں کا امکان ہوتا ہے، جس طرح راویان کی توثیق و تخریج بھی اجتہادی امر ہے، اسی طرح غلط اور صحیح کا تعین بھی اجتہادی معاملہ ہے، جس کا فیصلہ قرآن کے پیش نظر ہوتا ہے۔

### تیسرا سبب: ضعیف راوی کا تفرد

جس ضعیف حدیث کو بیان کرنے میں راوی اپنے شیخ سے منفرد ہو تو محدثین ایسے تفرد کو قابل تقویت نہیں سمجھتے، مثلاً وہ کسی مشہور سند سے کوئی ایسی منفرد حدیث بیان کرتا ہے جو اس شیخ کے مشہور شاگرد بیان نہیں کرتے یعنی وہ امام زہری یا امام سفیان ثوری جیسے شیخ سے روایت بیان کرنے میں منفرد ہے۔

ایسی صورت میں محدثین زیادہ اثقہ کو مطلق طور پر قبول نہیں کرتے، چہ جائیکہ وہ زیادہ الضعیف کو تقویت دیں۔

جب ضعیف راوی کسی مشہور سند سے حدیث بیان کرنے میں منفرد ہوگا تو اس کی غلطی کا قوی یقین ہو جائے گا یا یہ تصور کیا جائے گا کہ اسے کسی اور روایت کا شبہ ہے، یا اس کی حدیث میں دوسری حدیث داخل ہو گئی ہے یا اسے وہم ہوا کہ اس سند سے یہ متن مروی ہے یا اسے تلقین کی گئی تو اس نے قبول کر لی یا اس کی کتاب وغیرہ میں حدیث داخل کر دی گئی اور وہ اس سے بے خبر رہا۔

### چوتھا سبب: جب ایک سے زائد سبب ضعف ہوں

جب حدیث کی کسی سند میں ایک سے زائد سبب ضعف ہوں مثلاً روایت میں انقطاع

بھی ہے اور راوی بھی ضعیف ہے، یا اس میں دو راوی ضعیف ہیں تو بسا اوقات محدثین ایسی سند کو قبول نہیں کرتے، کیونکہ اس میں شاہد بننے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔  
حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

یہ حدیث غریب ہے، امام حاکم نے ”الإکلیل“ میں اسے اسی طرح بیان کیا ہے۔ علی بن قادم، اس کا استاذ (ابوالعلاء خالد بن طہمان) اور اس کا استاذ (عطیہ) کوئی اور شیعہ ہیں، ان میں کلام ہے، ان میں سب سے زیادہ ضعیف عطیہ ہے، اگر اس کی متابعت ہوتی تو میں اس حدیث کو حسن (غیرہ) قرار دیتا۔<sup>1</sup>

حافظ ابن حجر نے اس کے بعد اس کے شواہد بیان کیے ہیں، مگر اس کے باوجود اس حدیث کو حسن غیرہ قرار نہیں دیا، کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں ایک سے زائد وجہ ضعف ہے۔ ملاحظہ ہو<sup>2</sup>  
دیگر اسبابِ ضعیف:

بعض ایسے ضعف کے اسباب ہوتے ہیں جن کی وجہ سے حدیث میں شاہد بننے کی صلاحیت نہیں ہوتی اور یہ اسباب متعدد ہیں جن کا شمار مشکل ہے، تاہم ذیل میں چند اسباب بیان کیے جاتے ہیں:

1 اگر سند میں مبہم راوی ہو، اس کا شاگرد اپنے اساتذہ سے بیان کرنے میں احتیاط نہ کرتا ہو تو ایسی روایت متابع یا شاہد نہیں بن سکتی۔

2 سند میں راوی کی کنیت مذکور ہو اور معلوم نہ ہو کہ وہ کون ہے؟

1 (موافقة الخُبر الخَبر 245/1)

2 (موافقة الخُبر الخَبر 245/247)



3 اس میں متروک اور انتہائی کمزور راویوں کی منقطع اور مرسل روایات بھی داخل ہیں۔

4 جب ضعیف راوی کسی حدیث کو مرسل بیان کر دے، مثلاً امام دارقطنی فرماتے ہیں:

ابن بیلہانی ضعیف ہے، جب وہ موصول حدیث بیان کرے تو وہ حجت نہیں، جب وہ مرسل بیان کرے تو کیسے حجت ہو سکتا ہے؟ 1

حسن لغیرہ کی حجیت اور پاکستانی علمائے اہلحدیث:

ہم اس بحث میں ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حسن لغیرہ کی حجیت موجودہ تمام اہلحدیث علماء تسلیم کرتے ہیں چنانچہ ذیل میں ان کے اسماء پیش خدمت ہیں:

1 حافظ عبد المنان نور پوری رحمہ اللہ (مدرس جامعہ محمدیہ گوجرانوالا)

2 شیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ (مدیر ادارۃ علوم اثریہ فیصل آباد)

3 شیخ رفیق اثری حفظہ اللہ (شیخ الحدیث جامعہ محمدیہ جلالپور)

4 حافظ عبد العزیز علوی حفظہ اللہ (شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ فیصل آباد)

5 حافظ ثناء اللہ مدنی حفظہ اللہ (شیخ الحدیث جامعہ رحمانیہ لاہور)

6 شیخ عبد اللہ امجد چھتوی حفظہ اللہ (شیخ الحدیث مرکز الدعوة السلفیہ ستیانہ بنگلہ)

7 حافظ مسعود عالم حفظہ اللہ (شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ فیصل آباد)

8 شیخ عمر فاروق سعیدی حفظہ اللہ (شیخ الحدیث مدرسہ مرآۃ القرآن منڈی وار برٹن)

9 شیخ الیاس اثری حفظہ اللہ (شیخ الحدیث)

10 حافظ عبد الستار الحمد حفظہ اللہ (شیخ الحدیث مرکز الدراسات خانیوال)

- 11 حافظ عبدالسلام بھٹوی حفظہ اللہ (شیخ الحدیث مرکز طیبہ مرید کے)
  - 12 شیخ محمد یوسف قصوری حفظہ اللہ (شیخ الحدیث جامعہ محمد بن اسماعیل البخاری گندھیاں اوتاڑ قصور)
  - 13 شیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ (شیخ الحدیث جامعہ معہد القرآن، کراچی)
  - 14 حافظ ثناء اللہ الزاہدی حفظہ اللہ
  - 15 شیخ عبداللہ رفیق حفظہ اللہ (شیخ الحدیث جامعہ محمدیہ لوکوور کشاپ لاہور)
  - 16 مفتی عبید اللہ عقیف حفظہ اللہ (شیخ الحدیث جامعہ الہمدیث لاہور)
  - 17 شیخ مین اللہ پشاور حفظہ اللہ (شیخ الحدیث پشاور)
  - 18 شیخ غلام اللہ رحمتی حفظہ اللہ (شیخ الحدیث پشاور)
  - 19 شیخ عبدالسلام رستمی رحمہ اللہ (شیخ الحدیث پشاور)
  - 20 شیخ عبدالرؤف بن عبدالحنان بن حکیم محمد اشرف سندھو حفظہ اللہ
  - 21 شیخ امین محمدی حفظہ اللہ (شیخ الحدیث گوجرانوالہ)
  - 22 شیخ ابوصہیب داود ارشد حفظہ اللہ
  - 23 مفتی مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ
  - 24 مفتی عبدالحنان حفظہ اللہ (مفتی جامعہ سلفیہ فیصل آباد) وغیرہ
- یعنی حسن بغیرہ کو حجت نہ سمجھنا شاذ قول ہے، جس کی علمی دنیا میں کوئی حیثیت نہیں۔

آٹھواں اشکال:

غلط، غلط کو تقویت نہیں پہنچا سکتا۔ متقدمین محدثین بعض احادیث کے متعلق کہہ دیتے

ہیں: ”کلیھا ضعیفہ یا آسانیدھا کلیھا معلولہ“ وغیرہ، ان سے حسن لغیرہ کو حجت نہ سمجھنے والے استدلال کرتے ہیں، حالانکہ ان روایات میں راوی کی کئی اغلاط ہوتی ہیں۔

جواب:

اس حوالے سے امام البانی رقمطراز ہیں: ”ان الشاذ والمنکر مردود، لأنه خطأ والخطأ لا يتقوى به.“ شاذ اور منکر قابل رد ہے، کیونکہ وہ غلط ہے اور غلط سے تقویت حاصل نہیں کی جاسکتی۔

نیز فرمایا: ”وما ثبت خطأه فلا يعقل أن يقوى به رواية أخرى في معناها، فثبت أن الشاذ والمنکر مما لا يعتد به ولا يستشهد به، بل إن وجوده وعدمه سواء.“ ”جس (سند یا متن) کا غلط ہونا ثابت ہو جائے تو یہ معقول نہیں کہ اس کے ہم معنی روایت اسے تقویت پہنچائے گی۔ اس سے ثابت ہوا کہ شاذ اور منکر حدیث کی وہ اقسام ہیں جو کسی قطار و شمار میں نہیں اور نہ انھیں بطور شاہد پیش کیا جاسکتا ہے بلکہ اس کا وجود اور عدم وجود دونوں برابر ہیں۔“<sup>1</sup>

اسی لیے تو امام احمدؒ نے فرمایا کہ ”والمنکر أبدا منکر“ کہ منکر روایت ہمیشہ منکر ہی رہتی ہے۔<sup>2</sup>

اسی بات کو شیخ طارق بن عوض اللہ نے اپنی کتاب ”الإرشادات فی تقوية الأحاديث بالشواهد والمتابعات“ کے مقدمہ میں بڑے بسط سے بیان کیا ہے۔<sup>3</sup>

1 (صلاة التراویح للألبانی، ص 57)

2 (العلل ومعرفة الرجال رواية المروزی، ص 167، رقم 287۔ ومسائل الإمام أحمد رواية ابن هانئ، ج 2: ص 167، رقم 1925)

3 (مقالات اثریہ، از محمد حبیب احمد)

## ۱ محدث یمن مقبل بن ہادی کے نزدیک حسن لغیرہ کی حجت

علامہ مقبل بن ہادی کی متقدمین کے متعلق ایسی عبارتیں نقل کرنا کہ تحقیق حدیث میں متقدمین کی تحقیق معتبر ہے اور اس سے نتیجہ یہ نکالنا کہ جب متقدمین کے نزدیک حسن لغیرہ حجت نہیں تو ان کی بات ہی مانی جائے گی، درست نہیں۔

حسن لغیرہ کا انکار کرنے والے کے بارے میں یمن کے عظیم محدث علامہ مقبل بن ہادی فرماتے ہیں: ”أما الذين يردون الحسن لغیره، فإن كان في بعض المواضع أذاهم اجتهداهم، وهم أهل لذلك، إلى أن الحديث لا يرتقى إلى الحسن لغیره فلهم ذلك، وأما رده بالكلية فهذه خطوة إلى رد السنن.“ (القول الحسن، ص: 7)

جو لوگ حسن لغیرہ حدیث کو رد کرتے ہیں اگر بعض مواقع پر ان کا اجتہاد، بشرطیکہ وہ اجتہاد کے اہل بھی ہوں، یہ ہو کہ یہ حدیث درجہ حسن لغیرہ کو نہیں پہنچتی تو ان کو یہ حق حاصل ہے۔ رہی یہ بات کہ بالکل حسن لغیرہ حدیث کو رد کیا جائے تو یہ سنتوں کو ٹھکرا دینے کی طرف ایک قدم ہے۔

اس قول سے آپ اندازہ لگائیں کہ محدث یمن علامہ مقبل بن ہادی کتنے سخت خلاف ہیں ان لوگوں کے جو حسن لغیرہ کو حجت نہیں مانتے، حالانکہ وہ متقدمین کے علم و فضل کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ ایک جگہ پر لکھتے ہیں:

و نحن ما نظن أن المتأخرين يعثرون على ما لم يعثر عليه المتقدمون

اللهم إلا في النادر. 1

(أسئلة في المصطلح، السؤال 20) 1

ہمارا نہیں خیال کہ متاخرین اس بات پر اطلاع پالیں جس پر متاخرین اطلاع نہ پاسکے ہوں، ہاں کبھی کبھار ایسا ہو سکتا ہے۔

نیز ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

أرونی شخصاً يحفظ مثل ما يحفظ البخاری، أو أحمد بن حنبل، أو تكون له معرفة بعلم الرجال مثل يحيى بن معين، أو له معرفة بالعلل مثل علی بن المدينی، والدارقطنی، بل مثل معشار الواحد من هؤلاء، ففرق كبير بين المتقدمين والمتأخرين. (أيضاً)

مجھے ایک ایسا شخص دکھائیں جو امام بخاری یا امام احمد بن حنبل کی طرح کا حافظ رکھتا ہو یا اسے امام یحییٰ بن معین کی طرح علم رجال کی معرفت ہو یا اسے امام علی بن مدینی اور امام دارقطنی کی طرح علل حدیث کی معرفت ہو، بلکہ ان کے عشر عشر کے برابر بھی موجودہ دور میں کوئی نہیں۔ لہذا متقدمین اور متاخرین میں بہت فرق ہے۔

اس سے ہر منصف مزاج شخص بآسانی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ متقدمین کے علوم و فنون کے اس قدر اعتراف کے باوجود بھی وہ کہتے ہیں کہ حسن لغیرہ کو مطلقاً حجت نہ سمجھنے والا شخص سنتوں کو ٹھکرانے والا ہے۔ تو اب آپ غور کریں:

1 کیا علامہ مقبل بن ہادی متقدمین کو سنتوں کا ٹھکرانے والا کہہ رہے ہیں؟

2 کیا وہ ایک جگہ متقدمین کو لیتے ہیں (کہ ان کی بات ہی معتبر ہے) اور دوسری

جگہ (حسن لغیرہ کی عدم حجیت) ان کو چھوڑ رہے ہیں؟

3 علامہ مقبل بن ہادی اپنے شاگرد ابن ابی العینین کی کتاب ”القول الحسن“ کے متعلق

لکھتے ہیں:

فقد اطلعت علی جل کتاب أخینا فی اللہ الشیخ أحمد بن إبراهیم بن أبی العینین، الذی کتبہ فی الحدیث الحسن، فوجدت الکتاب قد اشتمل علی فوائد تشد لها الرحال، فلله در من باحث، لقد أعطاه اللہ صبرا و فهما و درایة، فلا یخرج من البحث إلا بنتائج طيبة مفيدة لطالب العلم. <sup>1</sup> نیز اسی کتاب کے متعلق لکھتے ہیں:

وأخیرا فقد کفانا أخوانا فی اللہ الشیخ أحمد بن أبی العینین الرد علی هؤلاء وأولئک، فجزاه اللہ خیرا. <sup>2</sup>

4 اسی کتاب میں سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، شافعی، یحییٰ بن سعید القطان، احمد بن حنبل، ترمذی، ابن عدی، محمد بن یحییٰ الذہلی، بخاری، ابو حاتم الرازی، نسائی، ابوداؤد السجستانی، دارقطنی وغیرہم کے اقوال و نصوص کی روشنی میں ائمہ متقدمین کے نزدیک حدیث حسن لغیرہ کی حجیت کا اثبات کیا گیا ہے، بلفظ دیگر علامہ مقبل بن ہادی کے نزدیک بھی متقدمین کے ہاں حسن لغیرہ حجت ہے۔ والحمد للہ

نواں اشکال: حسن لغیرہ کا حجت ہونا متقدمین سے ثابت نہیں ہے۔

جواب:

1 یہ بات کئی وجوہات کی بنا پر درست نہیں ہے۔ محدث سندھ شیخ الاسلام محب اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لیکن میرے محترم یہ کوئی کلیہ تو نہیں کہ متقدم جو بھی کہے وہ صحیح ہوتا ہے اور جوان سے متاخر کہے وہ صحیح نہیں ہوتا۔ <sup>3</sup>

1 (مقدمة القول الحسن ص 5):

2 (أیضا ص: 8)

3 (مقالات راشدیہ ج 1 ص 332)

نیز فرماتے ہیں: کسی کا زمانے کے لحاظ سے متقدم ہونا یہ کوئی دلیل نہیں کہ جو ان سے زماناً متاخر ہو اس کی بات صحیح نہیں۔ اعتبار تو دلائل کو ہے نہ کہ شخصیات کو۔ (ایضاً 333)

نیز کہا: تو کیا آپ ایسے سب رواۃ (جن کی حافظ صاحب نے توثیق فرمائی اور ان کے بارے میں متقدمین میں سے کسی کی توثیق کی تصریح نہیں فرمائی) کے متعلق یہی فرمائیں گے کہ ان کی توثیق مقبول نہیں یہ ان کا اپنا خیال ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اس طرح آپ اس جلیل القدر حافظ حدیث اور نقد الرجال میں استقراء تام رکھنے والے کی ساری مساعی جملہ پر پانی پھیر دیں گے۔ آپ خود ہی سوچیں کہ جناب کے اس نہج پر سوچنے کی زد کہاں کہاں تک پہنچ کر رہے گی۔ ①

② فضیلۃ الشیخ ابن ابی العیین فرماتے ہیں، جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

بعض طلبہ جنہوں نے ماہر شیوخ سے بھی نہیں پڑھا، وہ بعض نظری اقوال لے کر اپنے اصول و قواعد بنا رہے ہیں اور وہ کبار علماء سے اختلاف کرتے ہیں۔ انہوں نے باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ ہم متقدمین کے پیروکار ہیں اور انہوں نے متاخرین کے منہج کو غلط قرار دیا ہے ②

③ متقدمین کی حسن لغیرہ کے متعلق کون سی بحثیں ہیں، جن کے خلاف متاخرین نے اصول وضع کیے ہیں؟

④ متاخرین نے علم متقدمین ہی سے لیا ہے اور وہ انہیں کے انداز سے اصول متعین کرتے ہیں۔

فائدہ: باطل روایت کی خواہ جتنی بھی سندیں ہوں وہ باطل ہی رہے گی حسن لغیرہ نہیں بن سکتی، اس کی مثال قصہ غرائق ہے، اس روایت کو محدثین و محققین نے باطل کہا ہے مثلاً امام اللامہ امام ابن

خزیمہ نے کہا کہ یہ زنادقہ (مجوسیوں اور پارسیوں) کا گھڑا ہوا قصہ ہے۔ (مفاتیح الغیب للرازی ۵۰/۲۳: علامہ ابوبکر ابن العربی نے دس اسباب کی بنا پر اسے باطل قرار دیا ہے) (احکام القرآن ۷۵/۷۴: ۲: علامہ رازی نے ائمہ فن سے اس کا باطل اور من گھڑت ہونا نقل کیا ہے) (تفسیر الرازی ۵۰/۲۳: جو بات باطل اور من گھڑت ہو وہ حسن بغیرہ کبھی نہیں ہو سکتی فافہم

### محدثین کا اسماعیل بن ابی خالد کے عنعنہ کو قبول کرنا:

متعدد متقدمین محدثین نے اسماعیل بن ابی خالد کے بدون تدریس عنعنہ کو قبول کیا ہے لیکن ہمارے اساتذہ کرام میں سے بعض علماء ان کی عن والی روایات کو ضعیف کہتے ہیں، مثلاً دیکھئے: اسماعیل بن ابی خالد عنعن و هو مدلس (طبقات المدلسین : 362 و هو من

#### الثالثة 1

### منہج متقدمین اور منہج متاخرین!

حسن بغیرہ کے مسئلے میں کہا جاتا ہے کہ متقدمین کو لیا جائے گا، لیکن دیگر مقامات پر اپنے غلط اصول کے مقابلے میں متقدمین کی ہی بڑے زور سے مخالفت کی جاتی ہے اس پر ہمارے پاس متعدد مثالیں ہیں۔

### تحقیق حدیث میں متقدمین کی مخالفت کی مثال

1 واڑھی کے خلال کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہکذا أمرنی ربی مجھے میرے رب نے اسی طرح حکم دیا ہے۔ اس کے متعلق لکھا گیا: ”اسنادہ ضعیف۔ ولید بن زوران: لاین الحدیث (تق 7423: ) وللحدیث شاهد ضعیف عندا لحاکم

1 (انوار الصحیفة فی الاحادیث الضعیفة من السنن الاربعة: ص 106: ح 2930، ص 152 ح 4270)



(ج 1 ص 149، ح 529) فیہ الزہری مدلس (طبقات المدلسین 3: 1: 02) و عنہن“ 1  
جواب:

تو آئیے جو علتیں اشکال میں بیان کی گئی ہیں، ان کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

ہم بڑے ادب سے عرض کرنا چاہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے ضعیف کہنا درست نہیں ہے  
اس اجمال کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ولید بن زوران حسن الحدیث راوی ہے، کیونکہ امام ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا  
ہے (ج 7 ص 550) اور حافظ ذہبی نے بھی اسے ثقہ کہا ہے۔ 2

انوار الصحیفہ کے مقدمہ میں ایک قاعدہ ذکر کیا گیا ہے کہ: ”لکن وثقہ المتساهلان  
فصاعدا ولم يضعفه احد فهو حسن الحديث عندی“ (مقدمہ انوار الصحیفہ  
ص: 6) لیکن جس راوی کو دو تساہل محدثین یا زیادہ ثقہ قرار دیں اور اس کو کسی نے ضعیف بھی نہ کہا ہو تو  
وہ میرے نزدیک حسن الحدیث ہے۔

اس قاعدے کے تحت بھی یہ راوی حسن الحدیث ہوا، کیونکہ اس کو دو محدثین ثقہ کہہ رہے  
ہیں اور کسی نے ان کو ضعیف نہیں کہا۔ صاحب انوار الصحیفہ نے اس راوی کے بارے میں حافظ ابن  
حجر کا قول نقل کیا کہ یہ راوی لین الحدیث ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ خود اس حدیث کے متعلق  
فرماتے ہیں:

اسنادہ حسن لان الولید وثقہ ابن حبان ولم يضعفه احد وتابعه علیہ  
ثابت البنانی عن انس رضی اللہ عنہ. (النکت علی ابن الصلاح: ج 1 ص 423) اس کی سند

1 (انوار الصحیفہ فی الاحادیث الضعیفہ من السنن الاربعہ ص 19 ح 145)

2 (الکاشف: 6064)

حسن درجے کی ہے، کیونکہ ولید کو امام ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔ کسی نے بھی ان کو ضعیف نہیں کہا اور ثابت البنانی نے ان کی متابعت کی ہے۔

محترم کا یہ کہنا کہ اس کا ایک شاہد بھی ہے اور اس کی سند میں زہری مدلس ہیں اور وہ عن سے بیان کر رہے ہیں۔ تو عرض ہے کہ سلف و خلف محدثین میں سے کسی نے بھی اس حدیث کو زہری کے عن سے بیان کرنے کی وجہ سے ضعیف نہیں، کہا بلکہ محدثین تو اس حدیث کو صحیح کہہ رہے ہیں مثلاً:

- ۱ امام حاکم نے کہا: اسنادہ صحیح (المستدرک: ج 1 ص 276):
- ۲ امام ضیاء مقدسی نے کہا: اسنادہ صحیح (الاحادیث المختارہ: ج 3 ص 169، ج 2 ص 2710)
- ۳ امام ابن تظان الفاسی نے کہا: ہذا الاسناد صحیح (بیان الوهم والایہام: ج 5 ص 220)
- ۴ حافظ نووی نے کہا: اسنادہ حسن او صحیح (المجموع: ج 1 ص 376)
- ۵ حافظ ذہبی نے کہا: صحیح (تلخیص المستدرک ج 1 ص 276)
- ۶ حافظ ابن قیم نے کہا: ہذا اسناد صحیح (تہذیب سنن ابی داود: ج 1 ص 76)
- ۷ حافظ ابن حجر نے کہا: اسنادہ حسن (النکت: ج 1 ص 423)
- ۸ علامہ عبدالرؤف المناوی نے کہا: حسن (التیسیر بشرح الجامع الصغیر ج 2 ص 276)
- ۹ علامہ حمزہ بن عبد المجید السلفی نے کہا: صحیح (تحقیق مسند الشامیین ج 3 ص 6)
- ۱۰ امام ناصر الدین البانی نے کہا: صحیح (ارواء الغلیل ج 1 ص 130)
- ۱۱ علامہ ابو عبیدہ مشہور حسن نے کہا: والحديث صحیح (تحقیق المجالسہ و جواهر العلم

ج 3 ص 323-949) تلک عشرہ کاملہ ولدینا مزید۔

اس بحث سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث سلف و خلف محدثین کے ہاں صحیح ہے اور یہی حق ہے۔ امام ابن شہاب زہری کے عن سے بیان کرنے کی وجہ سے کسی نے اس کو ضعیف نہیں کہا۔ جب

ایک حدیث کو محدثین صحیح کہہ رہے ہیں تو اس کو صحیح مانا جائے گا وہ ہم سے کہیں زیادہ تحقیق حدیث کے ماہر تھے۔

”انوار الصحیفہ فی الاحادیث الضعیفہ من السنن الاربعۃ“ نامی کتاب میں پچاس سے زیادہ احادیث کو صرف اس وجہ سے ضعیف قرار دیا گیا ہے کہ ان کی سند میں امام ابن شہاب زہری ہیں اور صیغہ عن سے بیان کر رہے ہیں۔

ایک مقام پر لکھا گیا: اگرچہ اس کے تمام راوی صحیحین کے راوی ہیں مگر یہ سند زہری رحمہ اللہ کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ ان پر تدلیس کا الزام ثابت ہے لہذا اس اثر کے ذکر کرنے سے اجتناب کر رہا ہوں، کیونکہ یہ میری شرط پر نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ <sup>1</sup>

جواب: حدیث کی صحت و ضعف کا مدار محدثین کی شروط پر ہے۔ اگر کوئی حدیث ان کی شروط پر صحیح ہے تو وہ صحیح سمجھی جائے گی۔ کسی حدیث کا آج کے کسی عالم دین کی اپنی بنائی ہوئی شرط پر اتنا کوئی ضروری نہیں۔ محدثین امام زہری کی عن والی حدیث کو صحیح سمجھتے تھے، یعنی زہری کا عنعنہ محدثین کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ اس کا اعتراف بھی ملاحظہ فرمائیں: خلیفہ رابع امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی ظہر و عصر کی نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کا حکم مروی ہے جسے امام دارقطنی، امام حاکم، امام بیہقی اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ <sup>2</sup>

محدثین کی شرط پر صحیح ہے پر اس کے متعلق کہنے والوں نے یہ بھی کہا کہ اگرچہ اس کے تمام راوی صحیحین کے راوی ہیں مگر یہ سند زہری رحمہ اللہ کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ ان پر

<sup>1</sup> (الکواکب الدریۃ مسئلہ فاتحہ خلف الامام ص: 90)

<sup>2</sup> (دیکھئے سنن دارقطنی 1322 ح- 1219، المستدرک 2239 ح- 874، السنن الکبریٰ

للبیہقی 2168-196-195، جزء القراءت للبیہقی ص 92-94)

تذلیس کا الزام ثابت ہے لہذا اس اثر کے ذکر کرنے سے اجتناب کر رہا ہوں۔ کیونکہ یہ میری شرط پر نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ 1

اس سے معلوم ہوا کہ زہری کا عن سے بیان کرنا محدثین کی شرط پر تو صحیح ہوتا ہے امام دارقطنی، حاکم، ہیثمی اور ذہبی، معتمد علیہ حفاظ حدیث، ائمہ دین کی شرط پر تو صحیح ہے اور یہی صحیح بات ہے۔ !!!

علائی نے کہا: قبل الاثمة قوله عن (جامع التحصيل ص 109) یہی بات سبط العجمی نے اپنی کتاب (التبيين: ص ۸۰) میں کہی ہے۔

مفتدین کے منہج کو ثابت کرنے کے لئے دکتور حاتم العونی کی تحریر پیش کی جاتی ہے، حالانکہ دکتور صاحب نے وہ بحث حسن لغیرہ کے متعلق نہیں کی بلکہ عام بحث کی ہے اور متاخرین کا منطقوں سے متاثر ہونا بھی حسن لغیرہ کے متعلق نہیں کہا بلکہ انھوں نے خود ”المنهج المقترح“ میں متواتر کی بحث کی مثال دے کر بیان کیا ہے نہ کہ حسن لغیرہ کی مثال دی ہے اور وہ خود حسن لغیرہ کے قائل ہیں۔

دکتور حاتم العونی نے کہا:

العلماء متفقون علی قبول عنعنة الزهري ومنهم ابن حجر نفسه

تمام علماء، محدثین امام زہری کے عن والی روایات کو قبول کرنے پر متفق ہیں اور ان میں ابن حجر خود بھی ہیں۔ (التخریج و دراسة الاسانید ص 77) ہمارے علم کے مطابق حافظ ابن حجر نے کسی بھی حدیث کو زہری کے عن سے بیان کرنے کی وجہ سے ضعیف قرار نہیں دیا، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابن حجر کا انھیں تیسرے طبقے میں شمار کرنا مرجوح قول ہے۔